نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

بسم الله الرحمن الرحيم

اللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ

# ماهنامہ الحدیث حضرو

شمارہ نمبر 87

مدیر: حافظ زبیر علی زئی

رمضان ۱۴۳۲ھ اگست ۲۰۱۱ء

مکتبۃ الحدیث

حضرو' اٹک : پاکستان

# جھوٹ کبیرہ گناہ ہے

﴿وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔ (الحج:۳۰)

## فقہ القرآن:

۱: زُور کا مطلب ہے: باطل، باطل گواہی، جھوٹ، جعل سازی، بت پرستی اور محفلِ رقص وغنا وغیرہ، اور ان تمام چیزوں سے بچنا فرض ہے۔

۲: رسول اللہ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا: کیا میں تمھیں کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتادوں؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! ضرور بتائیں، اے اللہ کے رسول!
آپ (ﷺ) نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی۔
آپ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا: خبردار غور سے سن لو! اور جھوٹی بات (کبیرہ گناہ ہے۔)
آپ اسے بار بار دھراتے رہے۔ (صحیح بخاری:۲۶۵۴، صحیح مسلم:۸۷، دارالسلام:۲۵۹)

۳: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "المؤمن يطبع على الخلال كلها إلا الخيانة و الكذب" مومن میں تمام خصلتیں وعادات ہوسکتی ہیں، لیکن خیانت اور جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ (کتاب الایمان لابن ابی شیبہ:۸۱ وسندہ صحیح، کتاب الصمت لابن ابی الدنیا:۴۹۰)
اس اثر سے معلوم ہوا کہ مومن جھوٹا اور خائن نہیں ہوسکتا۔

۴: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری طرف سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جس کا جھوٹ ہونا معلوم ہے تو وہ شخص جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ (صحیح مسلم:۱)

۶: جس طرح جھوٹ بولنا بڑا جرم ہے، اسی طرح سچے آدمی کو جھوٹا کہنا بھی جرم ہے۔
ایک دفعہ ایک شخص نے مُطرِّف بن عبداللہ بن الشخیر رحمہ اللہ کو بُرا کہا تو انھوں نے دعا فرمائی: اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے جلدی موت دے دے۔ وہ شخص فوراً گرا اور مر گیا۔
(تاریخ دمشق لابن عساکر ۵۸/۳۲۳ وسندہ صحیح)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم


# ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

جلد: 8 | رمضان ۱۴۳۲ھ اگست ۲۰۱۱ء | شمارہ: 8



مدیر

حافظ زبیر علی زئی

معاونین

حافظ ندیم ظہیر

ابو خالد شاکر

ابو جابر عبداللہ دامانوی



قیمت

فی شمارہ : 20 روپے

سالانہ : 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

300 روپے



خط و کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

0302-5756937


## اس شمارے میں

# کامل وضو اور گناہوں کی مغفرت

**۲۸۲) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : (( ألا أدلكم على ما يمحو الله به الخطايا . ويرفع به الدرجات ؟ .))قالوا :بلى يا رسول الله ! قال :(( إسباغ الوضوء على المكاره و كثرة الخطى إلى المساجد وانتظار الصلاة بعد الصلاة، فذلكم الرباط .)) [أخرجه مسلم ومالك]**

**۲۸۳) وفي حديث مالك بن أنس :(( فذلكم الرباط فذلكم الرباط.)) [ردد] مرتين. رواه مسلم . و في رواية الترمذي : ثلاثاً .**

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں وہ چیز نہ بتادوں جس کے ذریعے سے گناہ ختم ہو جاتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں؟ صحابۂ کرام نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: تکلیف (مثلاً سخت سردی) کے وقت پورا وضو کرنا، مسجد تک دُور سے چل کر آنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے منتظر رہنا اور یہ رباط (سرحد پر پہرہ) ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور (امام) مالک بن انس کی روایت میں: یہ رباط ہے، دو دفعہ ہے اور ترمذی کی روایت میں تین دفعہ ہے۔

**تخریج:** صحیح مسلم (۲۵۱/۴۱، دارالسلام: ۵۸۷، امام مالک کا حوالہ: ۵۸۸) سنن ترمذی (۵۲)، نیز عرض ہے کہ موطأ امام مالک (روایۃ یحییٰ ۱/۱۶۱ ح ۳۸۵، روایۃ ابن القاسم: ۱۳۴) میں بھی: ''یہ رباط ہے'' کے الفاظ تین دفعہ ہیں۔

**فقہ الحدیث:**

۱: عالم شاگردوں سے سوال کر کے انھیں مسئلہ سمجھا سکتا ہے۔

۲: فضائلِ اعمال کی صحیح اور بہترین حدیثوں میں سے یہ حدیث بھی ہے۔

۳: پورے وضو کا مطلب نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق اچھی طرح وضو کرنا ہے تا کہ کوئی عضو خشک نہ رہ جائے اور کوئی سنت بھی نہ رہ جائے۔

۴: تکلیف سے مراد سردی وغیرہ ہے۔

۵: رباط سرحدوں پر جہاد کے لئے مستعد رہنے کو کہتے ہیں اور اسی طرح نماز کی تیاری کر کے دوسری نماز کا انتظار رباط ہے۔ والحمدللہ

۶: جو شخص جتنی دور سے چل کر مسجد آتا ہے تو اس کے لئے اُتنا ہی زیادہ ثواب ہے۔

۷: ابوبکر بن عبدالرحمٰن (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے تھے: جو شخص صبح یا شام کو صرف مسجد کے ارادے سے مسجد جائے تا کہ خیر سیکھے یا سکھائے پھر گھر واپس آئے تو یہ شخص اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کر کے مالِ غنیمت لئے ہوئے واپس لوٹتا ہے۔

(الموطأ ۱/۱۶۰، ۱۶۱ ح ۳۸۳ وسندہ صحیح)

۸: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ کر اپنی جائے نماز پر بیٹھ جاتا ہے تو فرشتے اس کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں: اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ اگر وہ اپنی جائے نماز سے اٹھ کر نماز کے انتظار میں مسجد میں جائے تو وہ حالتِ نماز میں ہی رہتا ہے۔ (الموطأ ۱/۱۶۱ ح ۳۸۴ وسندہ صحیح)

**۲۸٤) وعن عثمان رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ :**

**(( من توضأ فأحسن الوضوء خرجت خطاياه من جسده حتى تخرج من تحت أظفاره.)) متفق عليه .**

اور (سیدنا) عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وضو کرتا ہے اور اچھے طریقے سے وضو کرتا ہے تو اس کی خطائیں (اور گناہ) اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔ متفق علیہ

**تخریج:** صحیح بخاری (؟) صحیح مسلم (۳۳/۲۴۵، دارالسلام: ۵۷۸)

یہ روایت میرے علم کے مطابق صحیحین میں سے صرف صحیح مسلم میں ہے، صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم

**فقہ الحدیث:**

۱: وضو کرنے سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیز دیکھئے ح ۲۸۶

۲: وضو مسنون طریقے سے اور بالکل صحیح کرنا چاہئے، تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

۳: وضو کے دوران میں جو گناہ پانی کے قطروں کے ذریعے سے گرتے یعنی معاف ہوتے ہیں وہ کسی اُمتی کو نظر نہیں آتے، بلکہ صحیح حدیث کی وجہ سے اس پر ایمان ضروری ہے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ان گناہوں کو محسوس فرما لیتے تھے، جیسا کہ زکریا صاحب نے لکھا ہے: ''اور جو حضرات اہلِ کشف ہوتے ہیں اُن کو گناہوں کا زائل ہونا محسوس بھی ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ وضو کا پانی گرتے ہوئے یہ محسوس فرما لیتے تھے کہ کونسا گناہ اس میں دُھل رہا ہے۔''

(فضائلِ نماز ص ۱۴ ح ۶، فضائلِ اعمال ص ۲۹۲)

عرض ہے کہ یہ بالکل جھوٹا قصہ ہے اور کسی صحیح یا حسن لذاتہ سند سے قطعاً ثابت نہیں اور نہ کسی اُمتی کا اہلِ کشف میں سے ہونا ثابت ہے۔

**۲۸۵) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : (( إذا توضأ العبد المسلم - أو المؤمن - فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئةٍ نظر إليها بعينيه مع الماء - أو مع آخر قطر الماء - فإذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئةٍ كان بطشتها يداه مع الماء - أو مع آخر قطر الماء - فإذا غسل رجليه خرج كل خطيئةٍ مشتها رجلاه مع الماء - أو مع آخر قطر الماء - حتى يخرج نقيًا من الذنوب .)) رواه مسلم .** اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مسلم یا مومن بندہ وضو کرتا ہے تو اپنا چہرہ دھوتا ہے، اس کا ہر گناہ جسے اس نے آنکھوں کے ساتھ دیکھا تھا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ

نکل (کرگر) جاتا ہے پھر جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے ہر گناہ پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل (کرگر) جاتا ہے جس کے بارے میں اس نے ہاتھ استعمال کئے تھے، پھر جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کا ہر گناہ جس کے بارے میں پاؤں استعمال کئے تھے پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل (کرگر) جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

**تخریج:** صحیح مسلم (۳۲/۲۴۴، دارالسلام: ۵۷۷)

**فقہ الحدیث:**

۱: وضو کے ذریعے سے خطائیں معاف ہوتی ہیں۔

۲: وضو میں ترتیب ضروری ہے۔

۳: اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

۴: قبولیتِ اعمال کے لئے ایمان ضروری ہے۔ نیز دیکھئے حدیث سابق: ۲۷۴

**۲۸۶) وعن عثمان [رضي الله عنه] قال قال رسول الله ﷺ:**

**(( ما من امرىءٍ مسلم تحضره صلاة مكتوبة فيحسن وضوءَ ها و خشوعها و ركوعها إلا كانت كفارة لما قبلها من الذنوب ما لم يؤت كبيرة و ذلك الدهر كله .)) رواه مسلم .**

اور (سیدنا) عثمان (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فرض نماز کا وقت ہونے پر جو مسلمان آدمی اچھا وضو کرتا ہے، خشوع اور رکوع کا بہت اچھا خیال رکھتا ہے تو سابقہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، بشرطیکہ کبیرہ گناہ نہ ہو اور ایسا ہمیشہ ساری زندگی ہوتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

**تخریج:** صحیح مسلم (۷/ ۲۲۸، دارالسلام: ۵۴۳)

**فقہ الحدیث:**

۱: وضو کے ذریعے سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۲: کبیرہ گناہ توبہ، حقوق کی ادائیگی اور اصلاح کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔

۳: ثواب حاصل کرنے کے لئے وضو کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے اور پورا اہتمام کرنا چاہئے، تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

**۲۸۷) وعنه أنه توضأ فأفرغ على يديه ثلاثًا ثم تمضمض واستنثر ثم غسل وجهه ثلاثًا ثم غسل يده اليمنى إلى المرفق ثلاثًا ثم غسل يده اليسرى إلى المرفق ثلاثًا ثم مسح برأسه ثم غسل رجله اليمنى ثلاثًا ثم اليسرى ثلاثًا ثم قال : رأيت رسول الله ﷺ توضأ نحو وضوئي هذا، ثم قال :(( من توضأ وضوئي هذا ثم يصلي ركعتين ،لا يحدّث نفسه فيهما بشيءٍ غفر له ما تقدم من ذنبه )) متفق عليه . ولفظه للبخاري .**

اور (حُمران مولیٰ عثمان سے) روایت ہے کہ انھوں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) نے وضو کیا تو دونوں ہاتھوں پر تین دفعہ پانی بہایا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنا چہرہ تین دفعہ دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا، پھر اپنا بایاں ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر دایاں پاؤں تین دفعہ دھویا، پھر بایاں تین دفعہ دھویا، پھر فرمایا: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح وضو کیا جس طرح میں نے یہ وضو کیا ہے، پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا: جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں، اپنے دل کے ساتھ کسی چیز میں کلام نہیں کیا تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

متفق علیہ اور الفاظ (صحیح) بخاری کے ہیں۔

**تخریج:** صحیح بخاری (۱۹۳۴) صحیح مسلم (۲۲۶، دارالسلام: ۵۳۸)

**فقہ الحدیث:**

۱: وضو کے فوراً بعد دو رکعتیں (تحیۃ الوضو) پڑھنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔

۲: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔

۳: حدیث حجت ہے۔

۴: مسئلہ سمجھاتے ہوئے اس کی عملی شکل بتا دینا بہتر ہے۔

۵: رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے بغیر قرآن مجید کو سمجھنا ناممکن ہے اور اس کے بعد آثارِ سلف صالحین کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

۶: کثرتِ نوافل سے اپنے رب کو راضی کرنے میں ہمیشہ مشغول رہنا چاہئے۔

۷: حدیثِ مذکور میں صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ نیز دیکھئے حدیث سابق:۲۸۶

۸: وضو میں ترتیب ضروری ہے۔

۹: اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

۱۰: اپنے عمل کو دلیل سے مدلل کرنا چاہئے۔ وغیر ذلک

**۲۸۸) وعن عقبة بن عامر قال قال رسول الله ﷺ :(( ما من مسلم يتوضأ فيحسن وضوء ه ثم يقوم فيصلي ركعتين مقبلاً عليهما بقلبه ووجهه إلا وجبت له الجنة .)) رواه مسلم .**

اور (سیدنا) عقبہ بن عامر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جو مسلمان بھی اچھے طریقے سے وضو کرتا ہے، پھر اٹھ کر دو رکعتیں پڑھتا ہے جن میں اپنے دل اور چہرے کے ساتھ (اللہ کی طرف) متوجہ رہتا ہے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

**تخریج:** صحیح مسلم (۲۳۴، دارالسلام: ۵۵۳)

**فقہ الحدیث:**

۱: ہر عمل میں خلوصِ نیت ضروری ہے۔

۲: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

۳: وضو وہی مقبول ہے جو مسنون ہے۔

۴: نجات کے لئے ایمان ضروری ہے۔

۵: جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

## روزوں کی قضا یا فدیہ؟

**سوال** اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن وسنت کی دعوت وتبلیغ اور اسلام کی حفاظت کے لئے دراز عمر عطا فرمائے، آمین۔ شیخ صاحب! میں نے اپنے استاد محترم شیخ القرآن والحدیث علامہ عبدالسلام صاحب رستمی السّلفی سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص وفات پا جائے اور ان پر رمضان کے روزوں کی قضا باقی ہو تو اس میت کے ورثاء اس کے لئے روزے رکھ سکتے ہیں، اور اگر کوئی شخص اس میت کے لئے فدیہ دے تو یہ بھی جائز ہے۔ ہاں میت کے لئے روزے رکھنا حدیث مرفوع سے ثابت ہے اور فدیہ والی روایت موقوف ہے۔

لیکن شیخ الحدیث مولانا گوہر رحمٰن رحمہ اللہ نے فتاویٰ تفہیم المسائل جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۴۲ پر دو احادیث نقل کی ہیں کہ "میت کے لئے نہ کوئی نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ روزے رکھ سکتا ہے۔"

یہ تو ٹھیک ہے کہ نماز کا نہ کوئی فدیہ احادیث میں ثابت ہے اور نہ کوئی شخص ایک میت کے لئے اس کی طرف سے نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص سخت بیمار ہو اور وہ رمضان کے روزے نہ رکھ سکے اور وفات ہو جائے تو اس کے لئے اس کا ولی روزے رکھ سکتا ہے اور شیخ گوہر رحمٰن رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میت کی طرف سے اس کا وارث یا ولی روزے بھی نہیں رکھ سکتا۔

میں شیخ القرآن مولانا عبدالسلام صاحب حفظہ اللہ کی بیان کردہ دو احادیث نبوی ﷺ بھی آپ کے سامنے پیش کروں گا اور شیخ گوہر رحمٰن رحمہ اللہ کی بیان کردہ دو احادیث بھی پیش کروں گا۔

شیخ زبیر علی زئی صاحب! آپ مہربانی کر کے جانبین کے دلائل جانچ لیں، تطبیق کر دیں، جرح و تعدیل بھی کر دیں اور مسئلے کی راجح صورت بھی مدلل پیش کریں، کیونکہ اس مسئلہ میں ظاہری تضاد نظر آتا ہے۔

## شیخ القرآن علامہ عبدالسلام صاحب کے دو دلائل:

۱) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (( مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّه . ))
جو شخص مر جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے۔

(صحیح البخاری ج۱ص۲۶۲، صحیح مسلم ج۱ص۳۶۲)

۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میری ماں مرگئی اور اس پر ایک مہینہ کے روزے تھے، کیا میں اس کی طرف سے ان روزوں کو ادا کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تیری ماں پر کچھ قرض ہوتا تو کیا تو اس قرض کو اس کی طرف سے ادا کرتا؟ اس شخص نے جواب دیا ضرور! تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کئے جانے کے زیادہ لائق ہے۔

(صحیح مسلم ج۱ص۳۶۲)

## شیخ گوہر رحمٰن رحمہ اللہ کے دو دلائل تفہیم المسائل سے:

۱) **عن ابن عباس رضي الله عنه قال رسول الله ﷺ: لا يصلي أحد عن أحد ولا يصوم أحد عن أحد ولكن يطعم عنه .**

کوئی شخص دوسرے کی جگہ نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ اس کی جانب سے روزے رکھ سکتا ہے۔
لیکن اس کی جانب سے غریبوں کو کھانا کھلا دیا جائے یعنی فدیہ دیا جائے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج۴ص۲۵۷، مشکل الآثار جلد۳ص۱۴۱، نصب الرایہ از امام زیلعی ج۲ص۴۶۳، وقال ابن حجر: إسناده صحيح ،الدرایہ ص۱۷۷)

۲) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال رسول الله ﷺ: لا يصلين أحد عن**

أحد ولا يصوم أحد عن أحد إلا ان تصدقت واهديت .

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی جانب سے ہرگز نماز نہ پڑھے اور نہ اس کی جانب سے روزے رکھے اِلا یہ کہ تو اس کے لئے صدقہ اور قربانی دے سکتا ہے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۵۷، نصب الرایہ از امام زیلعی ج ۲ ص ۴۶۳، مشکل الآثار ج ۳ ص ۱۴۱، وقال ابن حجر: إسناده صحیح، الدرایہ ص ۱۷۷)

مہربانی کر کے میرا یہ سوال ضرور ماہنامہ الحدیث حضرو میں شائع کریں۔

(قاری فضل احد، ملاکنڈ)

**الجواب** سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( من مات و علیه صیام صام عنه و لیه . ))

جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں، اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے گا۔ (صحیح بخاری: ۱۹۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۴۷، ترقیم دارالسلام: ۲۶۹۲)

اس حدیث میں ''اس پر روزے ہوں'' سے مراد نذر کے روزے ہیں، جس کی تین دلیلیں درج ذیل ہیں:

۱: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی تو کہا: اے اللہ کے رسول! میری ماں فوت ہوگئی اور اس پر نذر کے روزے (باقی) ہیں، تو کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ نے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے اگر تمھاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کر دیتیں، تو یہ اس کی طرف سے ادا ہو جاتا؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: (( فصومي عن أمك . )) پس تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھو۔ (صحیح مسلم: ۱۱۴۸، ترقیم دارالسلام: ۲۶۹۶)

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ایک عورت نے سمندری سفر کیا تو ایک مہینہ روزے رکھنے کی نذر مانی، پھر وہ روزے رکھنے سے پہلے ہی فوت ہوگئی تو اس کی بہن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ واقعہ بیان کیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے حکم دیا کہ وہ اس (اپنی بہن) کی

طرف سے روزے رکھے۔ (سنن صغریٰ للنسائی، کتاب الأیمان والنذور، من نذر أن یصوم ثم مات قبل أن یصوم ج ۷ ص ۲۰ ح ۳۸۴۷ عن ابن عباس رضي الله عنه وسنده صحیح، وصححه ابن خزیمہ: ۲۰۵۴)

امام ابوداود نے اس مفہوم کی ایک روایت (ح ۳۳۰۸ وھو حدیث صحیح) پر "باب قضاء النذر عن المیت" کا باب باندھا ہے۔ (طبع دارالسلام ص ۴۷۹-۴۸۰)

ظاہر ہے کہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے، لہٰذا حدیثِ مذکور سے مراد نذر کے روزے ہیں۔

۲: حدیثِ مذکور کی راویہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: "میری ماں فوت ہوگئی ہیں اور اُن پر رمضان کے روزے باقی تھے، کیا میں اُن کی طرف سے ان روزوں کی قضا رکھ سکتی ہوں؟" تو انھوں نے جواب دیا: نہیں، لیکن ان کی طرف سے ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دو، یہ اس کی طرف سے تمھارے روزے رکھنے سے بہتر ہے۔

(شرح مشکل الآثار للطحاوی طبعہ جدیدہ ۱۷۸/۶، وسندہ حسن وصححہ ابن الترکمانی فی الجوہر النقی ۲۵۷/۴)

راویۂ حدیث کے اس فتوے سے یہی ظاہر ہے کہ میت کی طرف سے عام روزے نہیں رکھے جائیں گے، بلکہ صرف نذر کے روزے رکھنا جائز ہے۔

دوسری حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" **لا یصلّي أحد عن أحد ولا یصوم أحد عن أحد ولکن یطعم عنه مکان کل یوم مدًّا من حنطة .** " کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے، لیکن ہر دن کے (روزے کے) بدلے میں اس کی طرف سے گندم کا ایک مُد کھانا کھلائے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ۱۷۵/۲ ح ۲۹۱۸ وسنده صحیح وصححه الحافظ ابن حجر في الدرایة ۲۸۳/۱ ح ۳۷۵)

ایک مُد ۵۳ تولے وزن کا ایک پیمانہ ہے۔

۳: امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ دونوں نے فرمایا: " **إذا کان علی**

الميت نذر صيام يصوم عنه و إذا كان عليه قضاء رمضان أطعم عنه . "

اگر میت پر نذر کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے روزے رکھے اور اگر رمضان کی قضا باقی ہو تو اس کی طرف سے روزوں کا فدیہ کھلائے۔

(سنن ترمذی:۷۱۸ واللفظ لہ، مسائل الامام احمد واسحاق، روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج ۲۸۸/۱ فقرہ:۶۷۹)

امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی (متوفی ۶۵۶ھ) نے فرمایا:

" وقال به أحمد و الليث و أبو عبيد إلا أنهم خصصوه بالنذر . "

اور اس حدیث کے مطابق احمد (بن حنبل) لیث (بن سعد) اور ابو عبید کا قول ہے، اِلا یہ کہ انھوں نے اس حدیث کی تخصیص نذر کے روزوں کے ساتھ کی ہے۔

(المفہم ج ۳ ص ۲۰۸ تحت ح ۱۰۱۴)

حدیث ابن عباس، راویانِ حدیث کے فتاویٰ اور سلف صالحین کے فہم سے ثابت ہوا کہ جواب کے شروع میں مذکور حدیث سے مراد یہ ہے کہ میت کے اولیاء صرف اس صورت میں میت کی طرف سے روزے رکھ سکتے ہیں جب اس پر نذر کے روزے باقی ہوں، رہے رمضان کے روزے تو یہ میت کی طرف سے نہیں رکھے جائیں گے بلکہ ہر روزے کے بدلے میں فدیہ کھلایا جائے گا۔

جناب گوہر رحمٰن صاحب نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جس مرفوع روایت کا حوالہ سنن کبریٰ از بیہقی، مشکل الآثار، نصب الرایہ اور الدرایہ سے پیش کیا ہے تو عرض ہے کہ ان تمام کتابوں میں یہ روایت "قال رسول الله ﷺ" کے الفاظ کے ساتھ نہیں، بلکہ صرف سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے، لہٰذا اسے مرفوع یعنی نبی ﷺ کی حدیث کے طور پر بیان کرنا غلط ہے اور زیلعی حنفی نے بھی لکھا ہے کہ "غریب مرفوعاً" یعنی اس کا مرفوع ہونا معلوم نہیں ہے۔ (دیکھئے نصب الرایہ ۴۶۳/۲)

آپ نے گوہر رحمٰن صاحب کی بیان کردہ دونوں روایات "تفہیم المسائل حصہ اول" سے نقل کی ہیں، یہ میرے نسخے کے صفحہ ۱۲۳۔۱۲۴ پر ہیں۔ (طبع جنوری ۱۹۹۳ء)

گوہر رحمٰن صاحب کو بڑی غلطی لگی، انھوں نے موقوف کو مرفوع، یعنی صحابی کے فتوے کو نبی ﷺ کی حدیث بناڈالا ہے۔

تنبیہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتوے والی روایت کی سند صحیح ہے، جیسا کہ فقرہ نمبر۲ کے تحت گزر چکا ہے۔

گوہر رحمٰن صاحب نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مرفوع روایت مشکل الآثار، سنن کبریٰ از بیہقی، نصب الرایہ اور الدرایہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔

(تفہیم المسائل ج ا ص ۱۲۴)

حالانکہ ان چاروں کتابوں میں یہ مرفوع روایت موجود نہیں بلکہ عبدالرزاق وغیرہ نے اسے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول اور فتوے کے طور پر نقل کیا ہے۔ (دیکھئے نصب الرایہ ۴۶۳/۲)

اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: "**الصحیح عن ابن عمر موقوف**" صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر سے موقوف ہے۔ (الدرایہ ۲۸۳/۱ ح ۳۷۵)

فائدہ: مصنف عبدالرزاق والی روایت امام عبدالرزاق کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام بیہقی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ "**لا یصوم أحد عن أحد ولکن تصدقوا عنه من ماله الصوم لکل یوم مسکیناً.**"

کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے، لیکن اس کی طرف سے صدقہ کرو، ہر دن کے روزے کے بدلے میں مسکین کو کھانا کھلاؤ۔ (السنن الکبریٰ ۲۵۴/۴ وسندہ صحیح)

اس روایت کی سند صحیح ہے اور امام مالک نے بغیر کسی سند کے متن میں اضافے والی روایت کو موطأ میں نقل کیا ہے۔ (۳۰۳/۱ ح ۶۸۱ وسندہ ضعیف، روایۃ یحییٰ بن یحییٰ)

امام ابوالجہم العلاء بن موسیٰ بن عطیہ الباہلی البغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: "**ثنا لیث بن سعد عن نافع ان عبداللہ بن عمر کان یقول: "لا یصم أحد عن أحد ولا یحج أحد عن أحد"**" کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے حج نہ کرے۔ (جزء ابی الجہم: ۲۴ وسندہ صحیح)

اس کی سند صحیح ہے اور اس قول میں ''حج نہ کرے'' والی بات محلِ نظر ہے بلکہ احادیث مرفوعہ صحیحہ کی رُو سے یہ ثابت ہے کہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ حج بدل کرنے والے نے پہلے خود فرض حج کر رکھا ہو۔

حافظ ابن عبدالبر نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کی طرف سے فرض نماز نہیں پڑھے گا۔ (دیکھئے التمہید ۹/۱۳۴)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے موقوف قول کو گوہر رحمٰن کا رسول اللہ ﷺ کی حدیث قرار دینا بھی غلط ہے۔ (۲۶/ دسمبر ۲۰۱۰ء)

## اگر اذان نامکمل رہ جائے تو؟

**سوال** مؤذن کسی وجہ سے اپنی اذان مکمل نہ کر سکے تو کیا دوسرا شخص اس کی اذان کو مکمل کرے گا یا نئے سرے سے اذان دے گا؟ (اعجاز احمد، گوجرہ ٹوبہ ٹیک سنگھ)

**الجواب** اگر مؤذن کسی عذر کی وجہ سے اپنی اذان مکمل نہ کر سکے، مثلاً بیمار ہو کر بیٹھ جائے یا گر جائے تو میرے علم کے مطابق کسی حدیث میں یہ ثبوت نہیں کہ دوسرا شخص اس کی اذان کو مکمل کر سکتا ہے اور نہ نماز با جماعت پر اس کا قیاس ثابت ہے، لہٰذا دوسرے شخص کو چاہئے کہ نئے سرے سے پوری اذان دوبارہ دے۔ واللہ اعلم

ایک شخص نے اذان دے دی، پھر سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انھوں نے دوبارہ اذان کہی۔

(دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/۳۹۹ وقال: ''هذا إسناد صحیح'' وسندہ صحیح، نیز دیکھئے الاوسط لابن المنذر ۳/۱۸۸ ح ۱۲۱۲)

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اذان دوبارہ کہنی چاہئے۔

نیز دیکھئے ابراہیم بن صالح الاحمدی الشامی الدمرداشی کی کتاب: تحفۃ الخلان فی احکام الاذان (ص ۱۴۴، مطبوعہ دار النوادر شام، لبنان)

حافظ زبیر علی زئی

# شیعیت کا مقدمہ اور جھوٹی روایات

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علی رسولہ الأمین و رضي اللّٰہ عن أصحابہ أجمعین و رحمۃ اللّٰہ علی من تبعھم بإحسان : السلف الصالحین ، أما بعد:

سیدنا امام النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہو یا صحابی کا اثر، سلف صالحین کی روایات ہوں یا کسی عالم وغیرہ کا منقول قول وفعل، اہلِ سنت کے نزدیک ہر روایت ومنقول کے لئے صحیح وحسن یعنی مقبول متصل سند کا ہونا ضروری ہے، جیسا کہ مشہور ثقہ امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۱ھ) نے فرمایا:

" الإسناد من الدین ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء . "

سندیں دین میں سے ہیں اور اگر سندیں نہ ہوتیں تو جو آدمی جو چاہتا وہ کہہ دیتا۔

(مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲ ترقیم دارالسلام: ۳۲ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) نے فرمایا: " لا تنظروا إلی الحدیث ولکن انظروا إلی الإسناد فإن صح الإسناد و إلا فلا تغترّ بالحدیث إذا لم یصح الإسناد . " حدیث نہ دیکھو بلکہ سند دیکھو، پھر اگر سند صحیح ہو تو (ٹھیک ہے) اگر سند صحیح نہ ہو تو دھوکے میں نہ آنا۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۲/ ۱۰۲ ح ۱۳۰۱، وسندہ صحیح)

ضعیف ومردود اور بے سند روایات کا ہونا اور نہ ہونا ایک برابر ہے، جیسا کہ حافظ ابن حبان نے فرمایا: " لأن ماروی الضعیف و ما لم یرو: فی الحکم سیان "

کیونکہ جو ضعیف روایت بیان کرے اور جس کی روایت ہی نہ ہو: دونوں حکم میں برابر ہیں۔

(المجروحین لابن حبان ج ۱ ص ۳۲۸، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۱۲ ترجمۃ سعید بن زیاد)

اہلِ سنت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مقام ہے اور صحیحین

کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں، کیونکہ انھیں اُمت کی طرف سے متفقہ تلقی بالقبول حاصل ہے۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱/۱۲۴۔۱۲۸، نوع اول) اور مقدمہ ابن الصلاح (مع التقیید والایضاح ص ۴۱۔۴۲، دوسرا نسخہ ص ۹۷، نوع اول)

صحیحین کے علاوہ ہر کتاب کی صرف وہی روایت اور حوالہ مقبول ہے، جس میں تین شرطیں ہوں:

۱: صاحبِ کتاب ثقہ وصدوق عند جمہور المحدثین ہو۔

۲: کتابِ مذکور اپنے مصنف یعنی صاحبِ کتاب سے ثابت و مشہور ہو۔

۳: صاحبِ کتاب سے آخری راوی یا قائل و فاعل تک سند متصل و مقبول (صحیح یا حسن) ہو۔

اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو حوالہ بے کار ہے اور روایتِ مذکورہ نا قابلِ اعتماد و مردود ہے۔

اہلِ سنت کی اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی معتبر کتابیں مشہور و معروف ہیں اور ان کے بغیر کسی کتاب مثلاً مسند احمد، سنن ترمذی، سنن ابی داود اور سنن ابن ماجہ وغیرہ کی روایات سے استدلال غلط ہے اور اُصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے سرے سے مردود ہے۔

اس تمہید کے بعد حسین الامینی صاحب (ایک شیعہ) کی کتاب: ''شیعیت کا مقدمہ'' سے دس (۱۰) جھوٹی اور مردود روایات پیشِ خدمت ہیں، جن سے امینی مذکور نے اہلِ سنت کی بعض کتابوں کے حوالے دے کر استدلال کیا ہے، حالانکہ مذکورہ کتابوں کے مصنفین نے اپنی ان کتابوں میں روایات کے صحیح ہونے کا التزام نہیں کیا اور نہ اصولِ حدیث و اسماء الرجال کی رُو سے یہ روایتیں صحیح یا حسن ہیں، بلکہ اس کے برعکس موضوع، باطل اور مردود ہیں۔

۱) سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، پھر علی (رضی اللہ عنہ) تشریف لائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" والذي نفسي بيده! إن هذا و شيعته هم الفائزون يوم القيامة ..."

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک یہ (علی رضی اللہ عنہ) اور اُن کے شیعہ قیامت کے دن (جنت کے رفیع درجوں پر) فائز ہوں گے۔ الخ (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۰۔۵۱)

اس روایت کو امینی صاحب نے اپنے مخصوص ترجمے کے ساتھ کسی عبیداللہ امرتسری (؟) کی کتاب: ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب سے بحوالہ ابن عساکر، خوارزمی اور سیوطی (دُرِ منثور) نقل کیا ہے۔

سیوطی کی درمنثور میں یہ روایت بحوالہ ابن عساکر مذکور ہے۔ (ج ۶ ص ۳۷۹، آخر سورۃ البینہ)

خوارزمی سے مراد اگر موفق بن احمد بن محمد بن سعید المکی خطیب خوارزم ہے تو یہ شخص معتزلی تھا۔ دیکھئے مناقب ابی حنیفہ للکردری (ج ۱ ص ۸۸)

خوارزمی مذکور کی توثیق ثابت نہیں اور نہ اس کی کتاب کا کوئی اتا پتا ملا ہے اور علمائے کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ اس کی کتاب (فضائل علی رضی اللہ عنہ) میں (بہت زیادہ) موضوع روایات ہیں۔

دیکھئے منہاج السنہ للحافظ ابن تیمیہ (۱۰/۳) اور المنتقیٰ من منہاج السنہ للذہبی (ص ۳۱۲)

معلوم ہوا کہ خوارزمی کا بے سند حوالہ پیش کرنا بے کار و مردود ہے اور اُصولِ اہل سنت کے سراسر خلاف ہے۔

حافظ ابن عساکر کی کتاب: تاریخ دمشق (ج ۴۵ ص ۲۴۳) میں یہ روایت سند سے موجود ہے، لیکن کئی وجہ سے موضوع ہے:

۱: اس کا راوی ابوالعباس ابن عقدہ چور تھا۔ (الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۰۹ وسندہ صحیح)

ابن عقدہ کی توثیق کسی محدث سے ثابت نہیں اور امام دارقطنی نے فرمایا: وہ گندا آدمی تھا۔

(تاریخ بغداد ج ۵ ص ۲۲ وسندہ صحیح، لسان المیزان ج ۱ ص ۲۶۴ ت ۸۱۷)

ایسے راوی کی روایت مردود اور موضوع ہوتی ہے۔

۲: ابن عقدہ رافضی کا استاد محمد بن احمد بن الحسن القطوانی نامعلوم (مجہول) ہے۔

۳: قطوانی کا استاد ابراہیم بن انس الانصاری نامعلوم ہے۔

۴: انصاری کا استاد ابراہیم بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن مسلمہ نامعلوم ہے۔

مجہول راوی کی روایت موضوع ہونے کے لئے دیکھئے: حافظ ذہبی کی تلخیص المستدرک (۳/۶۰ ح ۴۳۹۹)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ روایتِ مذکورہ موضوع ہے، لہٰذا بغیر جرح کے اس کا بیان کرنا حلال نہیں ہے۔

**۲)** سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ھو أنت و شیعتك یوم القیامة راضین مرضیین" وہ لوگ تم اور تمھارے شیعہ ہیں۔ قیامت کے روز خوش اور خوشنود کیے گئے۔

(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۱ بحوالہ ابن مردویہ، ابونعیم فی الحلیہ، الدیلمی فی فردوس الاخبار اور السیوطی فی الدر المنثور)

درمنثور (۶/۳۷۹) میں یہ روایت بحوالہ ابن عدی مذکور ہے۔

ابن مردویہ کی کتاب نامعلوم یعنی مفقود ہے، نیز یہ روایت الکامل لابن عدی، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم اور الفردوس للدیلمی تینوں کتابوں میں نہیں ملی، لہٰذا یہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود اور باطل ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: "ھو کذب موضوع باتفاق أھل المعرفة بالمنقولات" روایات کے ماہرین کا اتفاق (اجماع) ہے کہ یہ روایت جھوٹی من گھڑت ہے۔

(منہاج السنۃ النبویہ ج ۴ ص ۷۰)

حافظ ذہبی نے فرمایا: "و إن کنا جازمین بوضعه" اور اگرچہ ہم بطورِ جزم اسے موضوع (جھوٹی من گھڑت روایت) سمجھتے ہیں۔ (المنتقیٰ من منہاج السنۃ ص ۴۵۸)

خلاصہ یہ کہ اہلِ سنت کے نزدیک یہ روایت جھوٹی اور موضوع ہے، لہٰذا ابن عدی، ابن مردویہ یا کسی امرتسری کا نام لے کر اسے عوام کے سامنے بیان کرنا حرام ہے۔

**۳)** سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ألم تسمع قول اللّٰہ تعالٰی: ان الذین آمنوا و عملوا

الصلحت اولئك هم خير البرية ؟ أنت و شيعتك و موعدكم الحوض ... "
یا علی! کیا تُو نے اللہ کے فرمان کو نہیں سنا کہ تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ سب سے بہترین مخلوق ہیں۔ وہ لوگ تم اور تمھارے شیعہ ہیں۔ میرا اور تمھارا وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔" (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲ بحوالہ ابن مردویہ، خوارزمی اور در منثور)

ابن مردویہ کی کتاب مفقود ہے اور در منثور (۳۷۹/۶) میں یہ روایت بحوالہ ابن مردویہ مذکور ہے، لہٰذا اس کی سند نامعلوم ہے۔

خوارزمی کے بارے میں دیکھئے حدیث سابق: ا

خلاصہ یہ کہ یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع و مردود ہے۔

۴) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: " أبشر يا علي! أنت و شيعتك في الجنة "
یا علی! خوش ہو تُو اور تیرے شیعہ جنت میں ہوں گے۔

(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲ بحوالہ فخر الاسلام نجم الدین ابو بکر بن محمد بن حسین السنیلانی المرندی فی مناقب صحابہ)

نجم الدین سنیلانی مرندی کا کوئی اَتا پتا معلوم نہیں اور اگر یہ واقعی کوئی قابلِ ذکر شخص تھا تو پھر اس سے لے کر سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا تک سند نامعلوم ہے، لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔

امینی صاحب نے یہ چار موضوع روایات پیش کر کے لکھا ہے:

" مزید تفصیل دیکھنے کے خواہشمند ارجح المطالب ص ۶۵۷ تا ص ۶۵۹ طبع قدیم کی طرف رجوع کریں۔" (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲)

عرض ہے کہ کیا یہ چار موضوع اور جھوٹی روایتیں تھوڑی ہیں کہ لوگ عبید اللہ امر تسری (؟) کی ناقابلِ اعتماد اور خزینۂ موضوعات کتاب: ارجح المطالب کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کئے جا رہے ہیں؟

ایسی کتاب کی طرف رجوع کرنے کا کیا فائدہ؟ کہ آپ نے جس کی طرف خوب رجوع کر کے اس میں سے چار جھوٹی روایات کی شکل میں جو "مکھن" نکالا ہے، علمی میدان

اور اہلِ سنت کے اصول پر اس کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ اس کا وجود اور عدمِ وجود برابر ہے۔

ہم آپ کو اور تمام مسلمانوں کو وصیت اور نصیحت کرتے ہیں کہ حق دیکھنے کے خواہشمندوں کو چاہئے کہ قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرف رجوع کریں، اور ان شاء اللہ اس میں آپ لوگوں کا بہت فائدہ ہوگا، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال رہے۔

دوسری تمام کتابوں کی اسانید و متون کی اصولِ حدیث اور علمِ اسماء الرجال کی رُو سے تحقیق کرنے اور ثبوت کے بعد ہی اُن سے استدلال جائز ہے۔

۵) امینی صاحب نے کسی عبدالحسین (؟!) شرف الدین موسوی (شیعہ) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ''پیغمبر اکرمؐ نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ... یہ علیؑ نیکوکاروں کے امام اور فاجروں کو قتل کرنے والے ہیں۔ جس نے ان کی مدد کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان کی مدد سے منہ موڑا اس کی بھی مدد نہ کی جائے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک ج ۳ ص ۱۲۹ پر حضرت جابرؓ سے روایت کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ لیکن بخاری اور مسلم نے اسے درج نہیں کیا۔'' (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۶۔۵۷)

عرض ہے کہ مستدرک کی تلخیص میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''بل واللہ موضوع، و أحمد کذاب...'' بلکہ اللہ کی قسم! (یہ روایت) موضوع ہے اور احمد (بن عبداللہ بن یزید الحرانی) کذاب ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۱۲۹ ح ۴۶۴۴)

کیا امینی صاحب کو یہ جرح نظر نہیں آئی یا پھر دال میں کالا ہی کالا ہے۔؟!

ابوجعفر احمد بن عبداللہ بن یزید المؤدب کے بارے میں حافظ ابن عدی نے فرمایا:

''کان بسُرّ من رأی یضع الحدیث'' وہ سرمن رأی (عراق کا ایک مقام) میں حدیث گھڑتا تھا۔ (الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۱۹۵، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۱۶)

امام دارقطنی نے فرمایا: وہ عبدالرزاق وغیرہ سے منکر حدیثیں بیان کرتا تھا، اس کی حدیث ترک کردی جائے۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲۰ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے الضعفاء والمتروکون للدارقطنی (ص ۱۲۸، ترجمہ ۶۸)

امام ابن عدی، امام دارقطنی اور حافظ ذہبی کی شدید جرح کے بعد یہاں حاکم کی تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۶) امینی صاحب نے ایک اور روایت بھی لکھی ہے، جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: "أنت تبین لأمتي ما اختلفوا فیه من بعدي" میرے بعد میری اُمت اختلافات میں مبتلا ہو گی تو تم ہی راہ حق واضح کرو گے۔" اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک ج ۳، ص ۱۲۲ پر درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کے بنائے ہوئے معیار پر صحیح ہے لیکن ان دونوں نے اس کا ذکر نہیں کیا نیز دیلمی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال ج ۷ ص ۱۵۶ پر مذکور ہے۔"

(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۷ حاشیہ)

عرض ہے کہ مستدرک کی اس روایت کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

"**بل هو فیما اعتقده من وضع ضرار، قال ابن معین: کذاب**" بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسے ضرار (بن صرد) نے بنایا ہے، ابن معین نے (اس کے بارے میں) فرمایا: جھوٹا ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۱۲۲ ح ۴۶۲۰)

ابونعیم ضرار بن صرد الکوفی پر امام بخاری اور جمہور محدثین نے جرح کی ہے اور امام ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: کوفہ میں دو کذاب (جھوٹے) ہیں: ابونعیم النخعی اور ابونعیم ضرار بن صرد۔

(کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۴۶۵ وسندہ صحیح)

ضرار بن صرد کی اس روایت کو اس کی منکر روایتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کا یہ معیار ہرگز نہیں ہے کہ وہ کذاب راویوں کی روایات سے استدلال کریں، لہٰذا یہاں حاکم کی غلطیوں سے استدلال کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟

تنبیہ: سیوطی کی بیان کردہ (کنز العمال ۱۱/ ۶۱۵ ح ۳۲۹۸۳) دیلمی والی روایت بھی ابونعیم ضرار بن صرد ہی سے ہے۔ دیکھئے مسند الفردوس (مخطوط مصورج ۳ ص ۱۳۵/ ۲)

۷) امینی صاحب نے بحوالہ تاریخ طبری (اردو ج ۱ ص ۸۹) ایک روایت لکھی ہے کہ نبی ﷺ نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمام بنوہاشم کے سامنے اعلان فرمایا:
"إن هذا أخي و وصي و خليفتي فيكم فاسمعوا له و أطيعوا" یہ میرا بھائی میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ تم اس کی بات سنو اور جو کہے اسے بجالاؤ۔

(شیعیت کا مقدمہ ص ۶۱، ۱۶۳۔۱۶۴)

تاریخ ابن جریر الطبری کے ہمارے اصل عربی نسخے میں یہ روایت جلد ۲ صفحہ ۳۲۱ پر ہے اور اس کی سند میں ایک راوی عبدالغفار بن القاسم ابومریم الانصاری (رافضی) ہے، جس کے بارے میں امام ابوداود الطیالسی نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ ابومریم کذاب ہے، کیونکہ میں نے اس سے ملاقات کی ہے اور اس سے (احادیث کا) سماع کیا ہے۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ۳/۱۰۰۔۱۰۱، وسندہ حسن)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: "و عامة حديثه بواطيل" اس کی عام حدیثیں باطل ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۶ ص ۵۳ وسندہ صحیح)

اس سند میں محمد بن حمید الرازی بھی سخت مجروح اور محمد بن اسحاق بن یسار مدلس ہیں، لیکن یہ روایت عبدالغفار بن القاسم کی وجہ سے موضوع ہے۔

۸) امینی صاحب نے لکھا ہے: "ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بہ تحقیق غدیر خم کے روز جناب رسالت مآب ﷺ نے لوگوں کو بلا کر درخت کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ وہاں سے کانٹوں کو جھاڑو سے دور کیا گیا۔ پھر آپؐ نے علیؑ کو بلوا کر ان کے دونوں بازو پکڑ کر اٹھائے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے حضرتؑ کی بغل کی سفیدی کو ملاحظہ کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں پس اس کا علیؑ مولا ہے۔ پھر ابھی لوگ متفرق نہیں ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ "آج کے روز میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کیا ہے اور میں نے اپنی نعمت کو تم پر پورا کیا ہے۔ پس رسالت مآبؐ نے فرمایا: اللہ اکبر دین کے کامل ہو جانے اور نعمت کے پورا ہونے اور میری رسالت اور علیؑ کی ولایت پر خدا کے راضی ہونے پر۔"

(شیعیت کا مقدمہ ص ۱۷۱، بحوالہ ارجح المطالب ص ۸۰، أبو نعيم و أبو بكر مردويه عنه و عن أبي هريرة، و السیوطی فی الدر المنثور و الدیلمی (صح) و أبو نعيم فيما نزل من القرآن في علي)

عرض ہے کہ اس روایت کی کوئی سند اہلِ سنت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے اور نہ ابونعیم و ابن مردویہ کی روایتوں کی اسانید کا علم ہو سکا ہے۔ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ درمنثور (۳۹۸/۲) میں بھی نہیں ملی اور نہ دیلمی کی سند کا نام و نشان ملا ہے، لہٰذا یہ بے سند روایت موضوع ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے صدیوں پہلے اس روایت کی سند پیش کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ دیکھئے منہاج السنۃ النبویہ (ج ۴ ص ۱۵)

حافظ ذہبی نے اسے موضوع قرار دیا۔ دیکھئے المنتقیٰ من منہاج السنہ (ص ۴۲۵)

امتی صاحب اور اُن کے ساتھیوں سے درخواست ہے کہ ہمت اور کوشش کر کے کہیں سے اس روایت کی سند پیش کریں تا کہ راویوں کی تحقیق کی جا سکے اور اگر سند پیش نہ کر سکیں تو پھر اس بے سند موضوع روایت کو عوام الناس کے سامنے کیوں پیش کر رہے ہیں؟

اگر شیعہ کی کتابوں، مثلاً اصولِ کافی سے ہم کوئی ضعیف و مردود روایت پیش کر دیں تو کیا شیعہ اسے تسلیم کر لیں گے؟

فی الحال اُصولِ کافی کی دو روایتیں پڑھ لیں:

۱: ابوعبداللہ علیہ السلام (شیعہ کے نزدیک معصوم امام) سے روایت ہے کہ " إن العلماء ورثة الأنبياء و ذاك أن الأنبياء لم يورّثوا درهمًا و لا دينارًا ... "

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، یہ اس لئے کہ انبیاء نے درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑی... الخ (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۳۲ باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء، ح ۲)

اس کے راوی ابوالبختری وھب بن وھب کے بارے میں مامقانی (شیعہ) نے لکھا ہے:

" في غاية الضعف " یعنی بہت زیادہ ضعیف۔

(تنقیح المقال فی علم الرجال ج ۱ ص ۱۶۱، راوی نمبر ۱۲۷۰۹)

کیا خیال ہے شیعہ اصول کی رُو سے اس سخت ضعیف روایت کو شیعہ کے خلاف پیش

کرنا جائز ہے؟

۲: اصولِ کافی کی ایک روایت ( عن أبي عبد الله عليه السلام ) کا خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کے لئے دودھ نہیں تھا پھر آپ کو ابو طالب نے اپنی پستانوں پر ڈال دیا تو اللہ نے ان میں دودھ اُتار دیا، پھر آپ (ﷺ) اُس سے کئی دن تک دودھ پیتے رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے آپ کو حلیمہ سعدیہ سے ملاقات کر کے اُن کے حوالے کر دیا۔

(الاصول من الکافی ج ۱ ص ۴۴۸ کتاب الحجۃ ابواب التاریخ باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ ووفاتہ ح ۲۷)

اس کے راوی علی بن ابی حمزہ سالم البطائنی کے بارے میں اُصول کافی کے حاشیے پر لکھا ہوا ہے: " كذابٌ متهم ملعون روى الكشي في ذمه أخبارًا كثيرة "

کذاب متہم ملعون، کشی نے اس کی مذمت میں بہت سی روایتیں بیان کی ہیں۔ (ص ۴۴۸)

مامقانی نے کہا: " قوي يؤخذ بخبره مالم يعارض الخبر الصحيح "

وہ قوی ہے، اس کی خبر جب صحیح خبر کے معارض نہ ہو تو اُسے لیا جاتا ہے یعنی قبول کیا جاتا ہے۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۱۰۵، ت ۸۱۱۱)

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی فریق بھی کسی کے خلاف ایسی روایت ہرگز پیش نہ کرے جو اُس کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

یہاں پر بطورِ خیر خواہی اور اصلاح عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک قوم میرے ساتھ محبت کرے گی حتیٰ کہ وہ میری محبت ( میں غلو ) کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگی اور ایک قوم میرے ساتھ بغض رکھے گی حتیٰ کہ وہ میرے بغض کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگی۔

(فضائل الصحابہ للامام احمد ۲/۵۶۵ ح ۹۵۲ وسندہ صحیح، کتاب السنہ لابن ابی عاصم: ۹۸۳ وسندہ صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: " يهلك في رجلان : مفرط غالٍ و مبغض قالٍ "

میرے بارے میں دو قسم کے آدمی ہلاک ہو جائیں گے: افراط کرنے والا غالی اور بغض رکھنے والا حجت باز۔ (فضائل الصحابہ ۲/۵۷۱ ح ۹۶۴ وسندہ حسن لذاتہ)

ان بیانات میں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شیعہ اور خوارج ونواصب کی ہلاکت کی خبر دی ہے اور چونکہ ان روایتوں کا تعلق غیب سے ہے، لہٰذا یہ حکماً مرفوع ہیں۔
دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو عدد ۴ص ۱۵۔۱۶

۹) امینی صاحب نے وحید الزمان حیدر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی دونوں سے ایک حدیث نقل کی کہ ''جو شخص مر جائے اور اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانے، اس کی موت جاہلیت کی سی موت ہوگی'' (شیعیت کا مقدمہ ص ۱۹۰۔۱۹۱، واللفظ للاول)
وحید الزمان نے کہا: ''اگر چہ یہ حدیث اہلسنت کے عقائد کی کتابوں میں اس لفظ سے مذکور ہے، مگر حدیث کی کتابوں میں مجھے اس لفظ سے نہیں ملی۔''
امینی صاحب لکھتے ہیں: ''اس سے اس حدیث پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔''
(شیعیت کا مقدمہ ص ۱۹۱)

عرض ہے کہ کیوں اثر نہیں پڑتا؟ کیا بے سند روایت مردود نہیں ہوتی؟ کیا شیعہ کے خلاف بھی بے سند روایتیں پیش کرنا جائز ہے؟ یاد رہے کہ یہاں عقائد کی کتابوں سے مراد بعض متاخرینِ اہلِ بدعت کی غیر مستند اور بے سند کتابیں ہیں جنھیں اہلِ سنت کے عقائد کی کتابیں قرار دینا غلط ہے۔

روایتِ مذکورہ کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:
"بل واللہ ما قالہ الرسول ﷺ ھکذا" بلکہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے اس طرح نہیں فرمایا ہے۔ (المنتقیٰ من منہاج السنہ ص ۲۸)
حافظ ابن تیمیہ نے اس حدیث کی سند کا مطالبہ کیا تھا۔ (دیکھئے منہاج السنۃ النبویہ ج ۱ ص ۲۶)
مگر آج تک کوئی شیعہ یا غیر شیعہ اس کی سند پیش نہیں کر سکا اور یہ اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ روایت مذکورہ موضوع ہے۔

۱۰) امینی صاحب نے عبدالحی لکھنوی صاحب سے نقل کیا ہے کہ "عن معاذ ان رسول اللہ ﷺ کان إذا قام فی الصلوۃ رفع یدیہ معال أذنیہ فاذا کبر

ارسلهما (رواہ الطبرانی) جناب معاذ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر بلند کرتے اور پھر انہیں کھلا چھوڑ دیتے۔" (فتاویٰ شیخ عبدالحیٔ لکھنوی ج ۱، ص ۳۲۶ طبع اول، شیعیت کا مقدمہ ص ۲۳۶۔۲۳۷)

عرض ہے کہ یہ روایت طبرانی کی المعجم الکبیر (ج ۲۰ ص ۷۴ ح ۱۳۹) میں خصیب بن جحدر کی سند سے موجود ہے اور اس روایت کے بارے میں حافظ ہیثمی نے کہا:

" رواہ الطبراني في الکبیر وفیه الخصیب بن جحدر وھو کذاب "

اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا اور اس میں خصیب بن جحدر (راوی) ہے اور وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۲)

خصیب بن جحدر کے بارے میں امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: وہ جھوٹا تھا۔

(تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۳۳۲۷)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: " الخصیب بن جحدر کذاب "

(کتاب الجرح والتعدیل ۳/ ۳۹۷ وسندہ صحیح)

تفصیل کے لئے اسماء الرجال کی اصل کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

مختصر یہ کہ یہ روایت موضوع ہے۔

امینی صاحب کی کتاب "شیعیت کا مقدمہ" سے یہ دس جھوٹی اور من گھڑت روایتیں بطورِ نمونہ پیش کی ہیں، تاکہ اہلِ سنت کی آنکھیں کھل جائیں کہ اُن کے ساتھ کس کس طرح کے فراڈ کئے جا رہے ہیں اور قرآن وحدیث کا نام لے کر انھیں صراطِ مستقیم سے ہٹانے کے لئے کیا کیا جتن کئے جا رہے ہیں۔

یہ قطعاً کافی نہیں ہوتا کہ عبدالحیٔ لکھنوی نے لکھا ہے یا عبیداللہ امرتسری نے لکھا ہے، طبرانی نے روایت کیا ہے یا امام ترمذی نے روایت کیا ہے، یہ مسند احمد میں درج ہے یا تاریخ دمشق لابن عساکر میں درج ہے، وغیرہ وغیرہ، بلکہ ہر روایت اور ہر حوالے کا صحیح وثابت ہونا ضروری ہے اور ایسا کام صحیح تحقیق کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

امینی صاحب نے کتاب مذکور میں بہت سی ضعیف و مردود روایات بھی لکھی ہیں اور کئی غیر ثابت اور موضوع کتابوں سے بھی استدلال کیا ہے، مثلاً نہج البلاغہ کے نام سے جو کتاب پیش کی جاتی ہے، اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہیں لکھا بلکہ ان کی شہادت کے صدیوں بعد بغیر کسی سند کے شریف رضی نامی آدمی نے لکھا ہے، لہٰذا یہ ساری کتاب قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

دیکھئے میزان الاعتدال للذہبی (۳/۱۲۴) سیر اعلام النبلاء (۱۷/۵۸۹۔۵۹۰)

لسان المیزان (۴/۲۲۳) اور کتب حذر منھا العلماء (ج ۲ ص ۲۵۰۔۲۵۷)

امینی صاحب نے شیعہ کتابوں مثلاً اصولِ کافی وغیرہ کے حوالوں میں بھی کسی تحقیق سے کام نہیں لیا، بلکہ شیعہ کے نزدیک بھی ضعیف و مجہول روایتیں لکھ کر اپنی کتاب کے صفحات بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً:

۱: امینی صاحب نے کہا: ''امام جعفر صادقؒ بڑے واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

**من خالف كتاب الله و سنة محمدٍ فقد كفر ''**

جس نے کتاب خدا اور سنت محمدؐ کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔ (۱۷) ''

(شیعیت کا مقدمہ ص ۲۱۳ بحوالہ الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۱ ص ۱۰۵، ج ۱ ص ۱۲۳)

روایتِ مذکورہ الکافی کے عربی نسخے میں صفحہ ۷۰ پر ہے اور اس کا بنیادی راوی ''**بعض أصحابه**'' یعنی ابن ابی عمیر کے ساتھیوں میں سے کوئی ہے جو کہ مجہول ہے، لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

دوسری روایت: " **ومن ترك كتاب الله و قول نبيه كفر** " (الکافی ۱/۵۶ ح ۱۰)

اس میں محمد بن ابی عبداللہ یعنی محمد بن جعفر بن عون الاسدی ہے جو کہ مجبرہ اور مشبہہ فرقوں میں سے تھا اور یونس بن عبدالاعلیٰ سے اُس کا یہ روایت سننا ثابت نہیں ہے بلکہ مامقانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی مرسل روایتیں حجت نہیں ہیں۔

(دیکھئے تنقیح المقال ج ۲ ص ۹۵ ت ۱۰۵۰۳)

یاد رہے کہ الفاظِ متن کا صحیح المعنی ہونا اس کی دلیل نہیں کہ قائل مذکور نے ضرور یہ الفاظ

کہے تھے یا کہے ہوں گے۔

۲: امینی صاحب نے لکھا ہے:

''اصول کافی میں ایک باب ہے جس میں امام کی صفات کا بیان ہے اس میں امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: الامام یحل حلال اللّٰہ و یحرم حرام اللّٰہ یعنی امام حلال کرتا ہے حلال خدا کو اور حرام کرتا ہے حرام خدا کو (۴۰)''

(شیعیت کا مقدمہ ص ۳۱۱ بحوالہ الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۲ ص ۶۱)

ہمارے نسخہ (مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران، بازار سلطانی) میں ج ۱ کے صفحہ ۲۰۰ پر یہ روایت موجود ہے اور اس کا راوی ابو محمد القاسم بن العلاء مہمل (جس میں جرح و تعدیل نہ ہو یعنی مجہول الحال) ہے۔ دیکھئے تنقیح المقال (ج ۱ ص ۱۲۳ ات ۶۵۹۰)

قاسم بن العلاء سے عبدالعزیز بن مسلم تک سند بھی نامعلوم ہے۔

مختصر یہ کہ یہ دونوں روایتیں شیعہ اصول کی رُو سے بھی ضعیف ہیں، لہٰذا امینی صاحب نے انھیں پیش کر کے اہلِ سنت اور شیعہ دونوں گروہوں کو دھوکا دیا ہے۔

امینی صاحب نے ثابت شدہ اور ناقابل تردید حقیقتوں کا بھی انکار کیا ہے، مثلاً عبداللہ بن سبا یہودی کا وجود اہلِ سنت اور شیعہ دونوں کی کتابوں میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس کا ثبوت صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے۔

امینی صاحب نے لکھا ہے:

''عبداللہ بن سبا کی فرضی شخصیت اور شیعوں کے خلاف بے بنیاد پراپیگنڈا''

(شیعیت کا مقدمہ ص ۹۶)

حالانکہ عبداللہ بن سبا کی شخصیت فرضی نہیں بلکہ وہ تاریخ کا حقیقی کردار تھا اور یہ شیعوں کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈا نہیں بلکہ حق اور سچ کا اظہار ہے، لہٰذا اُسے تاریخی غلط فہمی قرار دینا غلط ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سبا کو کالا خبیث کہا۔ (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ: ۱۳۹۸، وسندہ صحیح)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام یعنی فتاویٰ علمیہ (ج۱ص۱۵۴۔۱۵۹)

امام ابو عبداللہ جعفر بن محمد الصادق رحمہ اللہ نے فرمایا: عبداللہ بن سبا پر اللہ لعنت کرے، اُس نے امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) کے بارے میں رب ہونے کا دعویٰ کیا۔ الخ

(رجال کشی ص۱۰۷، روایت نمبر ۱۷۲، وسندہ صحیح عند الشیعہ)

ہشام بن سالم، کشی اور ابو محمد حسن بن موسیٰ النوبختی وغیرہم نے اس کا ذکر کیا ہے، بلکہ مامقانی نے کہا: عبداللہ بن سبا ملعون ہے، اسے علی علیہ السلام نے جلا دیا تھا۔

(تنقیح المقال ج۲ص۱۸۹ راوی نمبر ۶۸۷۲)

امینی صاحب کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ اس قطعی الثبوت حقیقت کا انکار ڈاکٹر طہ حسین مصری وغیرہ گمراہوں نے شر القرون میں کیا ہے اور اس انکار کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آخر میں اہلِ سنت بھائیوں کی خدمت میں درخواست ہے کہ ضعیف اور مردود روایات کو کلیتاً چھوڑ دیں بلکہ صحیح اور ثابت روایات کو اپنا منہج اور نصب العین بنائیں۔ اگر آپ نے یہ منہج اختیار کر لیا تو یاد رکھیں کہ آپ کے مقابلے میں تمام فرقے مثلاً خوارج، شیعہ، جہمیہ، مرجیہ، معتزلہ، قدریہ، جبریہ، نواصب اور منکرینِ حدیث وغیرہ ہمیشہ ناکام رہیں گے۔

ان شاء اللہ

ہر کتاب کو اُٹھا کر آنکھیں بند کر کے صاحبِ کتاب کے پیچھے نہ دوڑیں، بلکہ تحقیق کریں اور صحیح العقیدہ علمائے حق سے مضبوط تعلق اور رابطہ قائم کریں، کتاب و سنت یعنی قرآن و حدیث اور پھر اجماع و فہم سلف صالحین کو مدنظر رکھیں، سچائی کا راستہ اختیار کریں، حق اور اہلِ حق کے لئے الولاء (والہانہ محبت اور پیار) اور باطل و اہلِ باطل کے لئے البراء (بغض اور براءت) کا راستہ اپنائیں تو کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔ ان شاء اللہ

انھی گذارشات پر آپ سے رخصت چاہتا ہوں۔ و ما علینا إلا البلاغ

(۱۴/ جولائی ۲۰۱۰ء)

# حُمید بن ابی حمید الطّویل رحمہ اللہ

مشہور ثقہ تابعی اور کثیر احادیث کے راوی امام حُمید الطویل رحمہ اللہ کا مختصر اور جامع تذکرہ درج ذیل ہے:

**ولادت:** ۶۷ یا ۶۸ھ

**نام ونسب:** ابوعبیدہ حمید بن ابی حمید الطّویل البصری رحمہ اللہ

آپ کے والد کے نام میں دس مختلف اقوال ہیں، لیکن یہ اختلاف یہاں روایتِ حدیث میں قطعاً مضر نہیں ہے۔

**اساتذہ:** سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، امام ثابت بن اسلم البنانی اور امام حسن بصری وغیرہم رحمہم اللہ

**تلامذہ:** امام اسماعیل بن ابراہیم عرف ابن علیہ، امام حماد بن زید، امام حمید الطّویل کے بھانجے امام حماد بن سلمہ، امام زہیر بن معاویہ اور امام شعبہ وغیرہم رحمہم اللہ

**روایتِ حدیث میں مقام:** آپ کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہے۔

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ثقة . (کتاب الجرح والتعدیل ۳/ ۲۱۹ وسندہ صحیح)

امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: ثقة لا بأس به. (ایضاً ص ۲۱۹)

امام ابوالحسن العجلی نے فرمایا: " تابعي ثقة وهو خال حماد بن سلمة " ثقہ تابعی اور وہ حماد بن سلمہ کے ماموں تھے۔ (التاریخ: ۳۷۰، دوسرا نسخہ: ۳۴۵)

حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۴/ ۱۴۸)

اور مورخ ابن سعد نے کہا: " و کان حمید ثقة کثیر الحدیث إلا أنه ربما دلّس عن أنس بن مالك " وہ ثقہ تھے، کثرت سے حدیثیں بیان کرتے تھے، لیکن بعض اوقات انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے تدلیس کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۷/ ۲۵۲) وغیر ذلك.

**تدلیس کا مسئلہ:** متعدد علمائے حدیث نے انھیں مدلس قرار دیا، مثلاً حافظ ذہبی نے فرمایا:

" **ثقة جلیل ، مدلس** " (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۶۱۰)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: " **ثقة مدلس** " (تقریب التہذیب: ۱۵۴۴)

حافظ ابن حجر نے انھیں مدلسین کے طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا، جن کی حدیث حافظ صاحب کے نزدیک بھی حجت نہیں ہوتی اور کہا: انس (رضی اللہ عنہ) کے شاگرد (اور) مشہور ہیں، وہ ان سے بہت زیادہ تدلیس کرتے تھے حتیٰ کہ یہ کہا گیا: ان کی ان (سیدنا انس رضی اللہ عنہ) سے عام حدیثیں ثابت اور قتادہ کے واسطے سے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۸۶)

دوسری طرف امام حمید الطّویل کے بھانجے امام حماد بن سلمہ نے فرمایا: " **عامة ما یروي حمید عن أنس سمعه من ثابت** " حمید نے انس (رضی اللہ عنہ) سے جو عام روایتیں بیان کیں، وہ انھوں نے ثابت سے سنیں۔ (الجعدیات للبغوی: ۱۴۶۹، وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۱۵۱۹)

امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: " **لم یسمع حمید من أنس إلا أربعة و عشرین حدیثاً ، و الباقي سمعها أو أثبته فیها ثابت** "

حمید نے انس سے صرف چوبیس حدیثیں سنیں اور باقی ثابت (البنانی) سے سنیں یا انھوں نے سمجھایا۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۴۵۸۲ وسندہ صحیح)

یہ قول ذکر کر کے حافظ علائی نے کہا: " **فعلی تقدیر أن یکون مراسیل قد تبین الواسطة فیها وھو ثقة محتج به** " پس اس لحاظ سے یہ مراسیل روایتیں بنتی ہیں جن کا واسطہ معلوم ہو چکا ہے اور وہ (ثابت البنانی) ثقہ حجت تھے۔ (جامع التحصیل ص ۱۶۸، رقم ۱۴۴)

امام ابن عدی نے فرمایا: " **و سمع الباقي من ثابت عنه** "

اور انھوں نے باقی (تمام) روایات ثابت (البنانی) سے سنیں، انھوں نے وہ انس (رضی اللہ عنہ) سے بیان کیں۔ (الکامل ۲/ ۶۸۴، دوسرا نسخہ ۳/ ۶۷)

حافظ ابن حبان نے فرمایا: اور وہ (حمید الطّویل) تدلیس کرتے تھے، انھوں نے (ابن حبان کی تحقیق کے مطابق) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے اٹھارہ حدیثیں سنیں اور باقی ثابت

(البنانی) سے سنیں، پھر ان سے تدلیس کردی۔ (کتاب الثقات ۴/ ۱۴۸)

امام ابو حاتم الرازی اور امام ابو زرعہ الرازی دونوں نے حمید عن انس والی سند کے مقابلے میں حمید عن ثابت عن انس کی سند کو صحیح قرار دیا اور فرمایا: "وکان حمید کثیراً ما یرسل" اور حمید کثرت سے ارسال کرتے تھے۔ (علل الحدیث: ۲۰۷۱)

قولِ مذکور میں ارسال سے مراد تدلیس ہے۔

اس تحقیق کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱: حمید الطّویل مدلس تھے۔

۲: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے حمید الطّویل کی معنعن روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین میں یہ اشارہ کیا ہے کہ حمید الطّویل قتادہ عن انس کی سند والی تدلیس بھی کرتے تھے، یعنی قتادہ کو درمیان سے گرا دیتے تھے، لیکن یہ بات صحیح سند سے ثابت نہیں۔ اس کا راوی درست ھالک (سخت مجروح) تھا۔

دیکھئے تہذیب التہذیب (۳/ ۴۰، دوسرا نسخہ ۳/ ۳۶)

حافظ ابن حجر نے ثقہ امام ابوبکر (احمد بن ہارون) البردیجی سے کسی سند کے بغیر نقل کیا:

" و أما حديث حميد فلا يحتج منه إلا بما قال حدثنا أنس "

اور رہی حمید کی حدیث تو حجت نہیں، سوائے اس کے جس میں وہ حدثنا انس کہیں۔

(تہذیب التہذیب ۳/ ۴۰، دوسرا نسخہ ۳/ ۳۵)

یہ قول بھی مذکورہ بالا وضاحت اور خاص دلیل کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

راقم الحروف نے حافظ ابن حجر اور ابوبکر البردیجی وغیرہما پر اعتماد کرتے ہوئے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے حمید الطّویل کی کئی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیا تھا، لیکن اب صحیح واسطہ اور خاص دلیل معلوم ہونے کے بعد میں رجوع کرتا ہوں اور صحیح یہ ہے کہ حمید کی انس رضی اللہ عنہ سے معنعن روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

وفات: ۱۴۲، یا ۱۴۳ھ، آپ حالتِ نماز میں فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ (۲۷/ مئی ۲۰۱۱ء)

حافظ زبیر علی زئی

# روزے کی حالت میں ہانڈی وغیرہ کا چکھنا؟

امام بخاری نے فرمایا: ” و قال ابن عباس : لا بأس أن يتطعم القدر أو الشئ “
اور ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ہانڈی یا کسی چیز کو چکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(صحیح بخاری، کتاب الصوم باب اغتسال الصائم قبل حدیث: ۱۹۳۰، تعلیقاً)

یہ روایت ”شريك عن سليمان عن عكرمة عن ابن عباس“
کی سند سے درج ذیل کتابوں میں ہے:

۱: مصنف ابن ابی شیبہ (۴۷/۳ ح ۹۲۷۸) عن شريك
۲: مسند علی بن الجعد (۲۴۰۶) من حديث شريك و عنه علي بن الجعد
۳: السنن الکبریٰ للبیہقی (۲۶۱/۴) من حديث علي بن الجعد عن شريك
۴: تغلیق التعلیق (۱۵۲/۳) للحافظ ابن حجر من طريق علي بن الجعد

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: شریک بن عبداللہ القاضی مدلس ہیں اور سند عن سے ہے۔
شریک کی تدلیس کے لئے دیکھئے نصب الرایہ (۲۳۴/۳) المحلی (۲۶۳/۸، ۳۳۳/۱۰)
اور طبقات المدلسین لابن حجر (۲/۵۶) وهو من المرتبة الثالثة فی القول الراجح .

۲: سلیمان بن مہران الاعمش مدلس تھے اور سند عن سے ہے۔
اعمش کی تدلیس کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۶ ص ۷

☆ اس روایت کی دوسری سند میں جابر بن یزید الجعفی ہے۔
دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۴۷/۳ ح ۹۲۷۷)

جابر جعفی سخت ضعیف اور گمراہ شخص تھا۔ دیکھئے تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال اور تقریب التہذیب وغیرہ، لہٰذا یہ سند باطل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت اپنی دونوں سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔
فائدہ: عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ (تابعی) روزے کی حالت میں مٹی میں شہد چکھ لیتے تھے۔
دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۴۷ ح ۹۲۸۰ وسندہ حسن)
ثابت ہوا کہ شدید شرعی عذر ہو، مثلاً کسی عورت کا شوہر سخت مزاج ہو تو اس کے لئے روزے کی حالت میں ہانڈی وغیرہ چکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح خریدتے وقت بھی اس چیز کو چکھا جاسکتا ہے جس میں یہ احتمال ہو کہ بیچنے والا دھوکا دے رہا ہے، یا یہ خوف ہو کہ دھوکا نہ دے دے تو بھی ایسی چیز کو معمولی سا چکھ لینا جائز ہے، لیکن نہ چکھے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم
تنبیہ: اسے ضرورت کے وقت چکھنے کے بعد تھوک دینا چاہئے۔ (۲۹/ اگست ۲۰۱۰ء)

## شذرات الذہب

سعید بن جبیر رحمہ اللہ مشہور ثقہ تابعی تھے، جنہیں حجاج بن یوسف (ظالم) نے شہید کیا تھا۔ سعید بن جبیر نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کی تو اہلِ مکہ میں سے ایک آدمی نے کہا: اللہ تو اپنی کتاب میں یہ کہتا ہے؟ پس وہ (سعید بن جبیر رحمہ اللہ) بہت زیادہ غضبناک ہوئے اور فرمایا: میں یہی سمجھتا ہوں کہ تم کتاب اللہ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ٹکراتے ہو اور رسول اللہ (ﷺ) اللہ کی کتاب کو تم سے زیادہ جانتے تھے۔
(الجامع للخطیب تحقیق محمد عجاج الخطیب ۱/۲۰۳ ح ۳۵۳ وسندہ صحیح، تحقیق محمود الطحان ۱/۲۲۰ ت ۳۵۰)
معلوم ہوا کہ صحیح حدیث کے خلاف عمومِ قرآن سے استدلال نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ امام خطیب بغدادی نے اثر مذکور سے پہلے لکھا ہے: "وکذلک یجب أن لا یعترض علیه بعموم القرآن لجواز أن یکون ذلک الحدیث مما خُصّ به کتاب الله عزوجل" اور اسی طرح ضروری ہے کہ اس (حدیث) کے خلاف عمومِ قرآن سے اعتراض نہ کیا جائے، کیونکہ یہ جائز ہے کہ اس حدیث نے کتاب اللہ عزوجل کے عموم کی تخصیص کر رکھی ہو۔ (الجامع ۱/۲۰۳، دوسرا نسخہ ۱/۱۹۹۔۲۰۰)

حافظ زبیر علی زئی

# محدثین کرام اور ضعیف+ضعیف کی مروّجہ حسن لغیرہ کا مسئلہ؟

جلیل القدر محدثین کرام نے ایسی کئی احادیث کو ضعیف وغیر ثابت قرار دیا، جن کی بہت سی سندیں ہیں اور ضعیف+ضعیف کے اُصول سے بعض علماء انھیں حسن لغیرہ بھی قرار دیتے ہیں، بلکہ بعض ان میں سے ایسی روایات بھی ہیں جو ہماری تحقیق میں حسن لذاتہ ہیں۔
اس مضمون میں ایسی دس روایات پیشِ خدمت ہیں جن پر اکابر علمائے محدثین نے جرح کی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ضعیف+ضعیف والی مروّجہ حسن لغیرہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے:

**۱) حدیث: لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللّٰه علیه.**

جو شخص وضو پر بسم اللہ نہ پڑھے اُس کا وضو نہیں ہوتا۔

اس حدیث کی چند اسانید درج ذیل ہیں:

۱: عن سعید بن زید رضي اللّٰه عنه . (ترمذی: ۲۵، ابن ماجہ: ۳۹۸)

۲: عن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه . (ابوداود: ۱۰۱، ابن ماجہ: ۳۹۹، احمد ۲/ ۴۱۸ ح ۹۴۰۸)

۳: عن أبي سعید الخدري رضي اللّٰه عنه . (ابن ماجہ: ۳۹۷، دارمی ۶۹۷، احمد ۳/ ۴۱)

اس سلسلے کی مزید روایات کے لئے ابو اسحاق الحوینی کا رسالہ ''کشف المخبوء بثبوت حدیث التسمیة عند الوضوء'' دیکھیں اور اس رسالہ میں حوینی مذکور نے ضعیف+ضعیف والی مروّجہ حسن لغیرہ روایت کے دفاع کی ناکام کوشش بھی کر رکھی ہے۔!!

امام ابو زرعہ الدمشقی نے فرمایا: میں نے ابو عبداللہ احمد بن حنبل (رحمہما اللہ) سے پوچھا کہ لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللّٰه علیه کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس بارے میں احادیث قوی نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھ دھوو، پس اللہ نے تسمیے کو واجب قرار نہیں دیا اور یہ قرآن ہے اور اس کے بارے میں سنت (حدیث) ثابت نہیں ہے۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۸۲۸)

امام ابن ہانی نے کہا: میں نے اُن (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو؟ انھوں نے فرمایا: ''يجزئه ذلك، حديث النبي ﷺ ليس إسناده بقوي'' اس کا وضو ہو جائے گا، بسم اللہ کے بارے میں نبی ﷺ کی (طرف منسوب) حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔ (مسائل ابن ہانی: ١٧)

امام اسحاق بن منصور الکوسج نے امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ سے پوچھا: اگر وضو کرے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو؟ انھوں نے فرمایا: ''لاأعلم فيه حديثاً له إسناده جيّد.''
مجھے اس بارے میں ایسی کوئی حدیث معلوم نہیں جس کی سند اچھی ہو۔

(مسائل احمد واسحاق روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج ١/ ٦٨ فقرہ: ٢)

ثابت ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ضعیف+ضعیف والی مروّجہ حسن لغیرہ روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

تنبیہ: ہماری تحقیق میں سنن ابن ماجہ (٣٩٧) وغیرہ والی حدیث حسن لذاتہ ہے، لہٰذا وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور جو شخص اقامتِ حجت کے بعد بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا وضو نہیں ہوتا۔

**٢) حدیث: داڑھی کا خلال کرنا یعنی وضو کے دوران میں تخلیل اللحیۃ.**

اس حدیث کی چند سندیں درج ذیل ہیں:

١: عن عمار بن ياسر رضي الله عنه . (ترمذی: ٢٩۔٣٠، ابن ماجہ: ٤٢٩، الحاکم ١/ ١٤٩)

٢: عن عثمان بن عفان رضي الله عنه . (ترمذی: ٣١، ابن ماجہ: ٤٣٠، حاکم ١/ ١٤٩، بیہقی ١/ ٥٤)

٣: عن أنس بن مالك رضي الله عنه . (ابوداود: ١٤٥، بیہقی ١/ ٥٤)

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لايثبت عن النبي ﷺ في تخليل اللحية حديث'' نبی ﷺ سے داڑھی کے خلال کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ (علل الحدیث ١/ ٢٥٤ ح ١٠١)

ثابت ہوا کہ امام حاتم کے نزدیک ضعیف+ضعیف والی مروّجہ حسن لغیرہ روایت حجت

نہیں ہے۔ نیز دیکھئے تاریخ بغداد (۲/۶۷ ت ۴۵۵) اور الحدیث حضرو: ۸۳ ص ۲۵

داڑھی کے خلال والی حدیث کے بارے میں ابن حزم نے کہا: اور ان تمام روایات میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں۔ (المحلی ۳۶/۲ مسئلہ ۱۹۰)

تنبیہ: میرے نزدیک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ والی حدیث حسن لذاتہ ہے اور ثقہ راوی اسرائیل بن یونس پر ابن حزم کی جرح جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

**۴)** حدیث: جو شخص کسی میت کو نہلائے تو وہ غسل کرے۔

اس حدیث کی چند سندیں درج ذیل ہیں:

۱: **القاسم بن عباس عن عمرو بن عمير عن أبي هريرة رضي الله عنه .**

(ابوداود: ۳۱۶۱، بیہقی ۱/۳۰۳)

۲: **إسحاق مولى زائدة عن أبي هريرة رضي الله عنه .** (ابوداود: ۳۱۶۲)

**وسقط ذكره من رواية الترمذي (۹۹۳) وقال: "حديث حسن"**

۳: **الحارث بن مخلد عن أبي هريرة رضي الله عنه .**

(بیہقی ۱/۳۰۱ والسند الی الحارث حسن)

۴: **عن صالح مولى التوأمة عن أبي هريرة رضي الله عنه .**

(بیہقی ۱/۳۰۲، احمد ۲/۴۳۳ ح ۹۶۰۱)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی سندیں ہیں، لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: "**لايصح الحديث فيه ولكن يتوضأ**" اور اس میں حدیث صحیح نہیں، لیکن وہ وضو کرے۔

(مسائل الامام احمد روایۃ صالح بن احمد ۱/۴۶۰ فقرہ: ۵۷۴)

اور فرمایا: "**ليس فيه حديث يثبت**" اور اس میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔

(مسائل الامام احمد روایۃ عبداللہ بن احمد ۱/۷۹ فقرہ: ۸۷، نیز دیکھئے ص ۸۲ فقرہ: ۹۲)

بطورِ تائید عرض ہے کہ امام بخاری نے امام احمد بن حنبل اور امام علی بن عبداللہ المدینی سے نقل کیا: "**لايصح في هذا الباب شئ**" اس باب میں کوئی چیز صحیح نہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی بحوالہ ابوعیسیٰ الترمذی ۱/۳۰۱۔۳۰۲، العلل الکبیر للترمذی ۱/۴۰۲ باب ۱۴۷)

امام محمد بن یحییٰ الذہلی نے فرمایا: مجھے غسلِ میت سے غسل والی کوئی ثابت شدہ حدیث معلوم نہیں اور اگر ثابت ہوتی تو ہم پر ضروری تھا کہ اس پر عمل کرتے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/۳۰۲ وسندہ صحیح)

ابن الجوزی نے کہا: "ھذہ الأحادیث کلھا لا یصح" یہ ساری حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔ (العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۳۷۸ بعد ح ۶۳۰)

علامہ نووی نے امام ترمذی کا رد کرتے ہوئے کہا: "بل ھو ضعیف" بلکہ وہ (روایت) ضعیف ہے۔ (المجموع شرح المہذب ۵/۱۸۵)

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری نے فرمایا: "ولیس فیہ خبر یثبت" اور اس (مسئلے) میں کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔ (الاوسط ۱/۳۵۱ تحت ت ۲۹۶۸)

بہت سے علماء نے اس حدیث کو حسن یا صحیح قرار دیا اور راقم الحروف کے نزدیک ابوداود (۳۱۶۲) اور بیہقی (۱/۳۰۱) وغیرہما کی حدیث حسن ہے، لیکن امام احمد بن حنبل، امام محمد بن یحییٰ الذہلی، امام ابن المنذر، حافظ ابن الجوزی اور علامہ نووی وغیرہم کا اس حدیث پر جرح کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ضعیف + ضعیف والی مروّجہ حسن لغیرہ روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ امام بیہقی نے فرمایا: اس باب میں ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مرفوع روایات قوی نہیں ہیں، بعض راویوں کے مجہول ہونے اور بعض راویوں کے ضعیف ہونے کی وجہ سے اور صحیح یہ ہے کہ یہ ابو ہریرہ کی موقوف روایت ہے، مرفوع نہیں۔ (السنن الکبریٰ ۱/۳۰۳)

معلوم ہوا کہ امام بیہقی بھی متساہل ہونے کے باوجود ضعیف + ضعیف = مروّجہ حسن لغیرہ کے حجت ہونے کے علی الاطلاق قائل نہیں تھے۔

تنبیہ: دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ روایتِ مذکورہ کا حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔

(دیکھئے نیل المقصود: ۳۱۶۲)

بلکہ بعض علماء نے اسے منسوخ قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

۴) حدیث: کہنیوں تک تیمم کرنا

بعض روایات میں کہنیوں کا قولاً یا فعلاً ذکر آیا ہے، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱: عن ابن عمر رضي الله عنه (المحلی ۲/ ۱۴۹ مسئلہ: ۲۵۰، ابوداود: ۳۳۰ وسندہ ضعیف منکر)

۲: عن عماربن ياسر رضي الله عنه (المحلی ۲/ ۱۴۹، البزار بحوالہ نصب الرایہ ۱/ ۱۵۴)

۳: عن أبي ذر رضي الله عنه (المحلی ۲/ ۱۵۰)

مفصل تخریج کے لئے دیکھئے نصب الرایہ (۱/ ۱۵۰۔۱۵۴) اور عقود الجواہر المنیفہ (ص ۴۰)

ان روایتوں کے بارے میں ابن حزم نے کہا: یہ تمام روایتیں ساقط ہیں ان میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی حجت پکڑنا جائز نہیں۔ (المحلی ۲/ ۱۴۸)

فائدہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہنیوں تک تیمم کا کرنا ثابت ہے۔

(الموطأ للامام مالک ۱/ ۵٦ ح ۱۱۹، وسندہ صحیح)

۵) عام نمازوں میں صرف ایک سلام پھیرنے والی روایت کئی سندوں سے مروی ہے، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱: عن حميد الطويل عن أنس بن مالك رضي الله عنه.

(المعجم الاوسط للطبرانی بحوالہ الصحیحہ للالبانی: ۳۱٦ وسندہ ضعیف)

۲: عن أيوب عن أنس رضي الله عنه. (مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ الصحیحہ ۱/ ۵۲٦ وسندہ ضعیف)

۳: عن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه. (ابن ماجہ: ۹۲۰ وسندہ ضعیف/ انوار الصحیفہ ص ۴۱۱)

۴: عن عائشة رضي الله عنها. (ترمذی: ۲۹٦، ابن ماجہ: ۹۱۹ بسندین ضعیفین)

۵: عن سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه. (ابن ماجہ: ۹۱۸)

اس طرح کی اور روایات بھی ہیں جو شیخ البانی وغیرہ کے اصول سے مروجہ حسن لغیرہ بن جاتی ہیں، لیکن حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سعد بن ابی وقاص، عائشہ اور انس (رضی اللہ عنہم) کی احادیث سے ایک سلام مروی ہے، لیکن یہ روایتیں معلول ہیں، علمائے حدیث انھیں صحیح قرار نہیں دیتے۔ (الاستذکار ۱/ ۴۸۹ باب التشهد فی الصلوٰۃ)

ابن الجوزی نے کہا: "والجواب أن هذه الأحاديث ضعاف" اور جواب یہ ہے کہ یہ حدیثیں ضعیف ہیں۔ (التحقیق ومعہ التنقیح لابن عبدالهادی ۱/ ۳۶۹ تحت ح ۶۲۲)

نووی نے ایک سلام والی حدیث کے بارے میں کہا: "ضعفه الجمهور ولايقبل تصحيح الحاكم له ... وليس في الاقتصار على تسليمة واحدة شئ ثابت" جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا اور حاکم کا اسے صحیح کہنا قابلِ قبول نہیں...ایک سلام پر اکتفا کرنے والی کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔

(خلاصۃ الاحکام ج ۱ ص ۴۴۵، ۴۴۶ فقرہ: ۱۴۶۰، ۱۴۶۳)

عقیلی نے کہا: "ولايصح في التسليمة شئ" اور ایک سلام کے بارے میں کوئی چیز صحیح نہیں۔ (الضعفاء للعقیلی مخطوطہ برلن ومطبوعہ محققہ ۱/ ۱۷۵ ترجمۃ ثمامۃ بن عبیدۃ، ونسخۃ دار الصمیعی ۱/ ۱۹۵)

اور فرمایا: "والحديث في تسليمة أسانيدها لينة" اور ایک سلام کے بارے میں حدیث کی سندیں کمزور ہیں۔

(الضعفاء للعقیلی نسخۃ عبدالمعطی ۲/ ۵۸، نسخۃ الصمیعی ۲/ ۴۱۲، نسخۃ دار مجد السلام مصر ۲/ ۳۳۶)

ثابت ہوا کہ ابن عبدالبر، ابن الجوزی، نووی اور عقیلی چاروں ضعیف+ضعیف کو حسن لغیرہ بنا کر حجت نہیں سمجھتے تھے۔ نیز دیکھئے المحلی لابن حزم (۴/ ۱۳۲ مسئلہ ۴۵۷)

تنبیہ: نمازِ جنازہ میں صرف دائیں طرف سلام پھیرنا حدیث سے ثابت ہے۔

(دیکھئے میری کتاب: مختصر صحیح نمازِ نبوی ص ۹۵ طبع جدید ۲۰۰۹ء)

## ۶) حدیث: طلب العلم فريضة على كل مسلم

یہ روایت (ہر مسلمان پر طلبِ علم فرض ہے) بہت سی سندوں سے مروی ہے اور شیخ البانی وغیرہ نے اسے صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔ مثلاً دیکھئے تخریج احادیث مشکلۃ الفقر وکیف عالجھا الاسلام للالبانی (ص ۴۸۔۶۲ ح ۸۶)

بلکہ امام ابو علی الحسین بن علی الحافظ النیسابوری نے کہا کہ یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ (المدخل للبیہقی: ۳۲۶ وسندہ صحیح)

جبکہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: "لا یثبت عندنا فیہ شيء" ہمارے نزدیک اس کے بارے میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ (المنتخب من العلل للخلال ص ۱۲۸ ح ۶۲)

امام اسحاق بن راہویہ نے کہا: "طلب العلم فریضہ کے بارے میں حدیث صحیح نہیں لیکن اس کا معنی قائم ہے۔... (مسائل احمد واسحاق روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج ۲/ ۵۲۹ فقرہ: ۳۲۷۲، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ۱/ ۲۷ ح ۲۳ باختلاف یسیر وسندہ حسن)

امام عقیلی نے کہا: اور اس باب میں روایت کمزور ہے۔ (الضعفاء ۲/ ۵۸ دوسرا نسخہ ۲/ ۴۱۲)

نیز دیکھئے الضعفاء للعقیلی (ترجمہ عائذ بن ایوب ۳/ ۴۱۰، دوسرا نسخہ ۳/ ۱۱۰۴)

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کے بارے میں فرمایا: "اس کا متن مشہور ہے اور سندیں ضعیف ہیں، مجھے اس کی کوئی ایسی سند معلوم نہیں جس سے حدیث ثابت ہو جائے۔"

نیز انھوں نے کہا: اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو... (المدخل: ۳۲۵، ۳۲۷)

تنبیہ: یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف و مردود ہی ہے اور اسے صحیح یا حسن قرار دینا غلط ہے۔ تاہم یہ ثابت ہے کہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "**طلب العلم والجهاد فريضة على جماعتهم ويجزئ فيه بعضهم عن بعض**" طلبِ علم اور جہاد جماعت پر فرض ہے اور بعض کی طرف سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے۔ پھر انھوں نے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۲۲، کا ایک حصہ تلاوت فرمایا۔ (دیکھئے جامع بیان العلم وفضلہ ح ۲۶ وسندہ صحیح)

۷) ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر جوتے پہننے سے منع فرمایا ہے اور اس روایت کی چند سندیں درج ذیل ہیں:

۱: أزهر بن مروان البصري عن الحارث بن نبهان عن معمر عن عمار بن أبي عمار عن أبي هريرة رضي الله عنه. (ترمذی: ۱۷۷۵)

۲: قتادہ عن أنس رضي الله عنه. (ترمذی: ۱۷۷۶)

۳: أبو الزبير عن جابر رضي الله عنه. (ابوداود: ۴۱۳۵)

۴: أبو معاوية عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة رضي الله عنه.

(ابن ماجہ:۳۶۱۸)

۵: وكيع عن سفيان الثوري عن عبدالله بن دينار عن ابن عمر رضي الله عنه . (ابن ماجہ:۳۶۱۹)

شیخ البانی نے تو اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن امام بخاری نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایتوں میں سے ہر ایک روایت کے بارے میں فرمایا: ''ولا يصح هذا الحديث'' اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ الخ (سنن ترمذی:۱۷۷۶)

امام ترمذی نے فرمایا: یہ دونوں حدیثیں اہلِ حدیث کے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔

(الترمذی:۱۷۷۵)

ثابت ہوا کہ امام بخاری اور امام ترمذی دونوں کے نزدیک ضعیف +ضعیف والی مروّجہ حسن لغیرہ روایت حجت نہیں، بلکہ ضعیف ہوتی ہے۔

امام ترمذی کے مزید حوالے کے لئے دیکھئے سنن ترمذی (۸۶) اور میرا مضمون: ابن حزم اور ضعیف+ضعیف کی مروّجہ حسن لغیرہ کا مسئلہ (فقرہ:۵)

۸) نمازِ عیدین میں بارہ تکبیروں والی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے اور بعض سندیں حسن لذاتہ ہیں۔ مثلاً دیکھئے سنن ابی داود (۱۱۵۱، وسندہ حسن لذاتہ) اور جزء المرتاب (ص۳۰۱۔۳۱۰)

جبکہ علامہ ابن حزم نے کہا: ان روایات میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہے۔

(المحلی ۵/۸۴ مسئلہ ۵۴۳)

۹) ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام جہاں (فرض) نماز پڑھے تو وہاں نفل نماز نہ پڑھے۔

یہ روایت اس مفہوم کے ساتھ درج ذیل اسانید سے مروی ہے:

۱: عبد العزيز بن عبد الملك القرشي عن عطاء الخراساني عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه . (ابوداود:۶۱۶ وقال الألبانی: صحیح)

☆ ابن وهب عن عثمان بن عطاء الخرساني عن أبيه عن المغيرة رضي الله عنه .(ابن ماجہ:۱۴۲۸)

۲: عن أبي هريرة رضي الله عنه (صحیح البخاری ح ۸۴۸ وضعفہ البخاری رحمہ اللہ)

ومفهومه في سنن أبي داود (۱۰۰۶) وسنن ابن ماجہ (۱۴۲۷) وقال الألباني: "صحيح"!

۳: عن علي رضي الله عنه قال : من السنة أن لايتطوع الإمام حتى يتحول من مكانه . (ابن ابی شیبہ بحوالہ فتح الباری ۲/ ۳۳۵ تحت ح ۸۴۸ وقال ابن حجر: "باسناد حسن"!)

۴: عن أبي رمثة رضي الله عنه (ابوداود: ۱۰۰۷، وسندہ ضعیف، انوار الصحیفہ ص ۴۸)

اس روایت کی تمام سندیں ضعیف ومردود ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ولم یصح" اور (یہ حدیث) صحیح نہیں ہے۔ (صحیح بخاری مع الفتح ۲/ ۳۳۴ ح ۸۴۸)

اور فرمایا: "ولم يثبت هذا الحديث" اور یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

(التاریخ الکبیر ۱/ ۳۴۱ ت ۱۰۷۳، اسماعیل بن ابراہیم السلمی)

جولوگ اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں، اُن پر امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا صحیح وثابت اثر پیش کر کے لطیف رد کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جہاں فرض پڑھتے ، وہیں (نفل) نماز پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۸۴۸)

**۱۰)** نمازِ تسبیح پڑھنے کے بارے میں ایک مشہور حدیث ہے، جس کی بعض سندیں درج ذیل ہیں:

۱: موسى بن عبد العزيز عن الحكم بن أبان عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه .(ابوداود: ۱۲۹۷، ابن ماجہ: ۱۳۸۷، وسندہ حسن لذاتہ)

۲: عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه .(ابوداود: ۱۲۹۸، وسندہ ضعیف)

۳: عن الأنصاري وقيل أنه جابر رضي الله عنه .

(ابوداود: ۱۲۹۹، والسند صحیح إلى الانصاری)

۴: المستمر بن الريان عن أبي الجوزاء عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنه موقوفًا. (ابوداود: ۱۲۹۸، تعلیقًا ،النکت الظراف ۶/ ۲۸۰ ح ۸۶۰۶)

کئی سندوں والی یہ روایت حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہے، لیکن امام ابن خزیمہ نے فرمایا:

"باب صلوة التسبیح إن صح الخبر فإن في القلب من هذا الإسناد شيء"

نمازِ تسبیح کا باب، بشرطیکہ روایت صحیح ہو، کیونکہ دل میں اس سند کی وجہ سے کوئی چیز (کھٹکتی) ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ ۲/ ۲۲۳ قبل ح ۱۲۱۶)

قاضی ابوبکر بن العربی المالکی نے کہا: اور عباس کے قصے کے بارے میں ابورافع (رضی اللہ عنہ) کی حدیث ضعیف ہے، صحیح یا حسن ہونے میں اس کی کوئی اصل نہیں.... الخ

(عارضۃ الاحوذی ۲/ ۲۶۶، ۲۶۷ تحت ح ۴۸۱)

عقیلی نے کہا: "وليس في صلوة التسبيح حديث يثبت"

اور نماز تسبیح کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔

(الضعفاء الکبیر ۱/ ۱۲۴، دوسرا نسخہ ۱/ ۱۴۶، اوس بن عبداللہ ابوالجوزاء)

حافظ ابن تیمیہ نے تو یہ دعویٰ کر دیا کہ صلوۃ التسبیح والی حدیث "أنها كذب" جھوٹ ہے۔!! (دیکھئے منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۱۶ سطر ۲۸)

قاضی شوکانی نے بھی اس حدیث پر جرح کی اور کہا: "والحق أن طرقه كلها ضعيفة وأن حديث ابن عباس يقرب من الحسن إلا أنه شاذ لشدة الفردية فيه ...." اور حق یہ ہے کہ اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں اور ابن عباس کی حدیث حسن کے قریب ہے، لیکن یہ سخت غریب ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۲۴۲ صلوۃ التسبیح)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: "وقد ضعفها ابن تيمية والمزي وتوقف الذهبي، حكاه ابن عبد الهادي عنهم في أحكامه" اسے ابن تیمیہ اور مزی نے ضعیف قرار دیا اور ذہبی نے (اس کے بارے میں) توقف کیا۔ یہ بات ابن عبدالہادی نے احکام میں ان سے نقل کی ہے۔ (التلخیص الحبیر ۲/ ۷ ح ۴۸۲)

ابن تیمیہ، مزی اور ذہبی کے شاگرد ابن عبد الہادی (متوفی ۷۴۴ھ) کی تصانیف میں الاحکام الکبریٰ مذکور ہے جو آٹھ جلدوں میں ہونے کے باوجود نامکمل تھی۔

(دیکھئے مقدمہ طبقات علماء الحدیث ۱/۴۱)

ثابت ہوا کہ مذکورہ تمام علماء مثلاً ابن خزیمہ، قاضی ابوبکر بن العربی، عقیلی، ابن تیمیہ، مزی اور شوکانی وغیرہم ضعیف+ضعیف والی مروّجہ حسن لغیرہ کے حجت ہونے کے قائل نہیں تھے، ورنہ وہ بہت سی سندوں والی روایت: صلوۃ التسبیح کو کبھی ضعیف قرار نہ دیتے، جبکہ اس روایت کی بعض سندیں حسن لذاتہ بھی ہیں۔

اہلِ سنت کے ایک جلیل القدر امام احمد بن حنبل نے نمازِ تسبیح کے بارے میں فرمایا:

''لم يثبت عندي صلاة التسبيح وقد اختلفوا في إسناده، لم يثبت عندي، وكأنه ضعف عمرو بن مالك النكري'' میرے نزدیک نمازِ تسبیح ثابت نہیں اور انھوں نے اس کی سند میں اختلاف کیا ہے، میرے نزدیک ثابت نہیں۔

(عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا:) اور گویا انھوں نے عمرو بن مالک النکری کو ضعیف قرار دیا۔ (مسائل الامام احمد، روایۃ عبداللہ بن احمد ۲/ ۲۹۵ فقرہ ۴۱۳)

امام احمد سے نمازِ تسبیح کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

''إسناده ضعيف'' اس کی سند ضعیف ہے۔ (مسائل ابن ہانی ج ا ص ۱۰۵ فقرہ: ۵۲۰)

بعض علماء کہتے ہیں کہ امام احمد نے اس بات سے رجوع کر لیا تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علی بن سعید (النسائی) نے امام احمد سے نمازِ تسبیح کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''لا يصح فيها عندي شي'' میرے نزدیک اس میں کوئی چیز صحیح نہیں ہے۔

پھر علی بن سعید نے مسلم بن ابراہیم عن المستمر بن الریان عن أبی الجوزاء عن عبداللہ بن عمرو والی روایت پیش کی تو امام احمد نے فرمایا: مستمر ثقہ ہیں، اور گویا آپ کو یہ روایت اچھی لگی۔

(دیکھئے النکت الظراف لابن حجر ۶/ ۲۸۰، اجوبۃ العسقلانی المطبوعۃ فی آخر مشکوۃ الالبانی ص ۱۷۷۹۔۱۷۸۰، الفقد الصحیح بحوالہ الترجیح لما جاء فی صلوۃ التسبیح ص ۴۱۔۴۲)

صحیح یا حسن لذاتہ روایت کی بنیاد پر امام احمد کا رجوع کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ ضعیف+ضعیف والی مروّجہ حسن لغیرہ روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

ہم نے جو حوالے پیش کئے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں جن سے ہمارا موقف صاف ثابت ہوتا ہے۔

آخر میں ان اماموں اور علمائے کرام کے نام پیشِ خدمت ہیں جو ضعیف+ضعیف والی مروّجہ حسن لغیرہ روایت کی حجیت کے قائل نہیں تھے اور اس مضمون میں ان کے حوالے موجود ہیں:

۱: احمد بن حنبل (فقرہ:۱، ۳، ۶، ۱۰)
۲: ابوحاتم الرازی (فقرہ:۲)
۳: ابن حزم (فقرہ:۲، ۴، ۸)
۴: بخاری (فقرہ:۳، ۷، ۹)
۵: علی بن المدینی (فقرہ:۳)
۶: ابن الجوزی (فقرہ:۳، ۵)
۷: محمد بن یحیٰی الذہلی (فقرہ:۳)
۸: ابن المنذر النیسابوری (فقرہ:۳)
۹: نووی (فقرہ:۳، ۵)
۱۰: بیہقی (فقرہ:۳، ۶)
۱۱: ابن عبدالبر (فقرہ:۵)
۱۲: عقیلی (فقرہ:۵، ۶، ۱۰)
۱۳: اسحاق بن راہویہ (فقرہ:۶)
۱۴: ترمذی (فقرہ:۷)
۱۵: ابن خزیمہ (فقرہ:۱۰)

۱۶: ابوبکر بن العربی (فقرہ:۱۰)

۱۷: ابن تیمیہ (فقرہ:۱۰)

۱۸: شوکانی (فقرہ:۱۰)

۱۹: مزی (فقرہ:۱۰)

۲۰: ذہبی (فقرہ:۱۰)

ان کے علاوہ اماموں اور علماء کے حوالے بھی موجود ہیں، مثلاً ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے نبیذ کے بارے میں فرمایا: پاک کھجور اور پاک پانی۔
یہ روایت کئی سندوں سے مروی ہے۔ دیکھئے میرا مضمون: ابن حزم اور ضعیف +ضعیف کی مروّجہ حسن لغیرہ کا مسئلہ (فقرہ:۱)

اس روایت کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی اور امام ابو زرعہ الرازی رحمہما اللہ دونوں نے فرمایا: ''ولا یصح في هذا الباب شئ''
اور اس باب میں کوئی چیز بھی صحیح نہیں۔ (علل الحدیث ۱/ ۴۵ ح ۹۹، دوسرا نسخہ ۱/ ۲۵۱ ح ۹۹)

ثابت ہوا کہ امام ابو زرعہ الرازی بھی ضعیف +ضعیف والی مروّجہ حسن لغیرہ روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ امام ابو حاتم الرازی کے ساتھ ایک بحث مباحثے میں جب اُن کی پیش کردہ روایات مجروح ثابت ہوگئیں تو انھوں نے سکوت فرمایا، جو گویا خاموش تائید ہے۔ دیکھئے الحدیث حضرو: ۸۳ (ص ۲۵)

جس شخص کا یہ دعویٰ ہے، ضعیف +ضعیف والی روایات حسن لغیرہ بن کر حجت ہو جاتی ہیں اور ان کا انکار صحیح نہیں ہے تو اس سے مطالبہ ہے کہ وہ جلیل القدر محدثین سے اس کا صحیح وصریح ثبوت پیش کرے اور اگر پیش نہ کر سکے تو باطل میں جھگڑا کرنے کے بجائے حق کی طرف رجوع ضروری ہے۔

(۱۱/ اپریل ۲۰۱۱ء)

مروّجہ حسن لغیرہ پر مزید معلومات کے لئے دیکھئے الحدیث حضرو: ۸۴

# محمود عالم اوکاڑوی کی دوغلی پالیسی

محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی (حیاتی دیوبندیوں کے ''مناظرِ اسلام، وکیلِ احناف'') نے ایک مشہور مماتی دیوبندی خطیب غلام اللہ خان کے ساتھ ''مولانا'' کا لفظ نہیں لکھا اور ان الفاظ میں وضاحت کی: ''بندہ نے خان غلام اللہ خان کے ساتھ مولانا کا لفظ نہیں لکھا ممکن ہے بعض حضرات کو ناگوار گزرے وجہ اس کی عرض کر دیتا ہوں بندہ..... سید محمد امین شاہ ......کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے فرمایا ایک دفعہ کسی آدمی نے حضرت پیر خورشید احمد شاہ کے سامنے ''مولانا غلام اللہ خان'' کہا تو پیر صاحب نے فرمایا اس کو مولانا نہ کہو۔ کہنا ہے تو مولای کہو کیونکہ یہ ہمارا مولا نہیں ہے۔ پیر صاحب سخت نالاں تھے....''

(تسکین الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۵۵۰)

اور اسی محمود عالم نے دوسرے مقام پر غلام اللہ خان کے بارے میں (غالباً بروایتِ اوکاڑوی) لکھا ہے: ''چنانچہ آج تک یہ لوگ مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی کی سندوں میں سیف بن عمر ضبی ثابت کر کے خان صاحب کو خائن ہونے سے نہ بچا سکے۔'' (تسکین الاذکیاء ص ۵۸۳)

جس غلام اللہ خان دیوبندی کو محمود عالم یا امین اوکاڑوی نے خائن قرار دیا اور محمود عالم نے ''مولانا'' لکھنے سے انکار کر دیا، اس کے بارے میں حیاتی دیوبندیوں کے ''امام'' سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: ''ماہنامہ تعلیم القرآن (جو شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کی سرپرستی میں نکلتا تھا۔)'' (خزائن السنن ص ۵۱۱، جلد ۳ ص ۵۵)

بلکہ.... حافظہ نہ باشد کے اصول پر خود محمود عالم نے اپنے قلم سے لکھا ہے: ''اس کے بعد دیوبندی مسلک کی عام جماعتیں جمیعت علمائے اسلام، مجلس تحفظ ختم نبوت، احرار اسلام وغیرہ مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کے خلاف ہو گئیں۔''

(فتوحات صفدر ج ۳ ص ۴۳۵)

امین اوکاڑوی نے لکھا: ''مولانا غلام اللہ خان'' (تجلیاتِ صفدر ۷/ ۱۵۹، نیز دیکھئے ۷/ ۱۵۶)

قافلۂ باطل والوں سے مطالبہ ہے کہ وضاحت کریں: محمود عالم نے ایسی دوغلی پالیسی کس لئے اختیار کر رکھی ہے؟! ھل من مجیب؟!

[ابو النعمان]

# صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا احترام

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (( لا تسبوا أصحابي ... )) میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو۔
(صحیح بخاری: ۳۶۷۳، صحیح مسلم: ۲۵۴۱، ترقیم دار السلام: ۶۴۸۸)

اور ایک روایت میں ہے: (( لا تسبوا أصحابي، لا تسبوا أصحابي... ))
میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو، میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو۔ (صحیح مسلم: ۲۵۴۰، دار السلام: ۶۴۸۷)

کتاب و سنت اور اہلِ حق کے اجماع سے ثابت ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں سب سے بہترین جماعت صحابۂ کرام کی جماعت ہے اور تمام صحابہ سے محبت کرنا، ان کا احترام کرنا اور ان کی کسی قسم کی گستاخی اور تنقیص نہ کرنا اہلِ ایمان کی نشانی ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

امام ابو الاحوص سلام بن سُلیم الحنفی الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) نے فرمایا:
اگر رُوم والے (کافر عیسائی) اپنے علاقے سے (مسلمانوں پر) حملہ کر دیں اور نُخیلہ (کوفہ کے قریب ایک مقام) تک قتلِ عام کریں پھر ایک شخص تلوار لے کر ان کے مقابلے میں نکلے، مسلمانوں کے علاقے آزاد کرے اور انھیں (عیسائیوں کو) روم تک واپس دھکیل دے (پھر) وہ (مرنے کے بعد) اللہ سے ملاقات کرے اور اس کے دل میں محمد ﷺ کے صحابہ سے کچھ بغض ہو تو ہم (تبع تابعین اور تابعین) یہ سمجھتے ہیں کہ اسے اس قتال کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ (النہی عن سب الاصحاب للضیاء المقدسی ص ۶۶ وسندہ حسن لذاتہ)

معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت کا دار و مدار ایمان پر ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی گستاخی کرنے والا شخص ایمان سے محروم ہے۔

صحابۂ کرام میں تمام صحابہ شامل ہیں، کبار صحابہ ہوں یا صغار صحابہ یا صرف بلحاظِ رویت ہی شرفِ صحابیت حاصل ہو، ان سب کا احترام فرض ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (( أكرموا أصحابي ... )) میرے صحابہ کی عزت کرو۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ۵/ ۳۸۷۔۳۸۸ ح ۹۲۲۲ وسندہ حسن وھو صحیح بالشواھد)